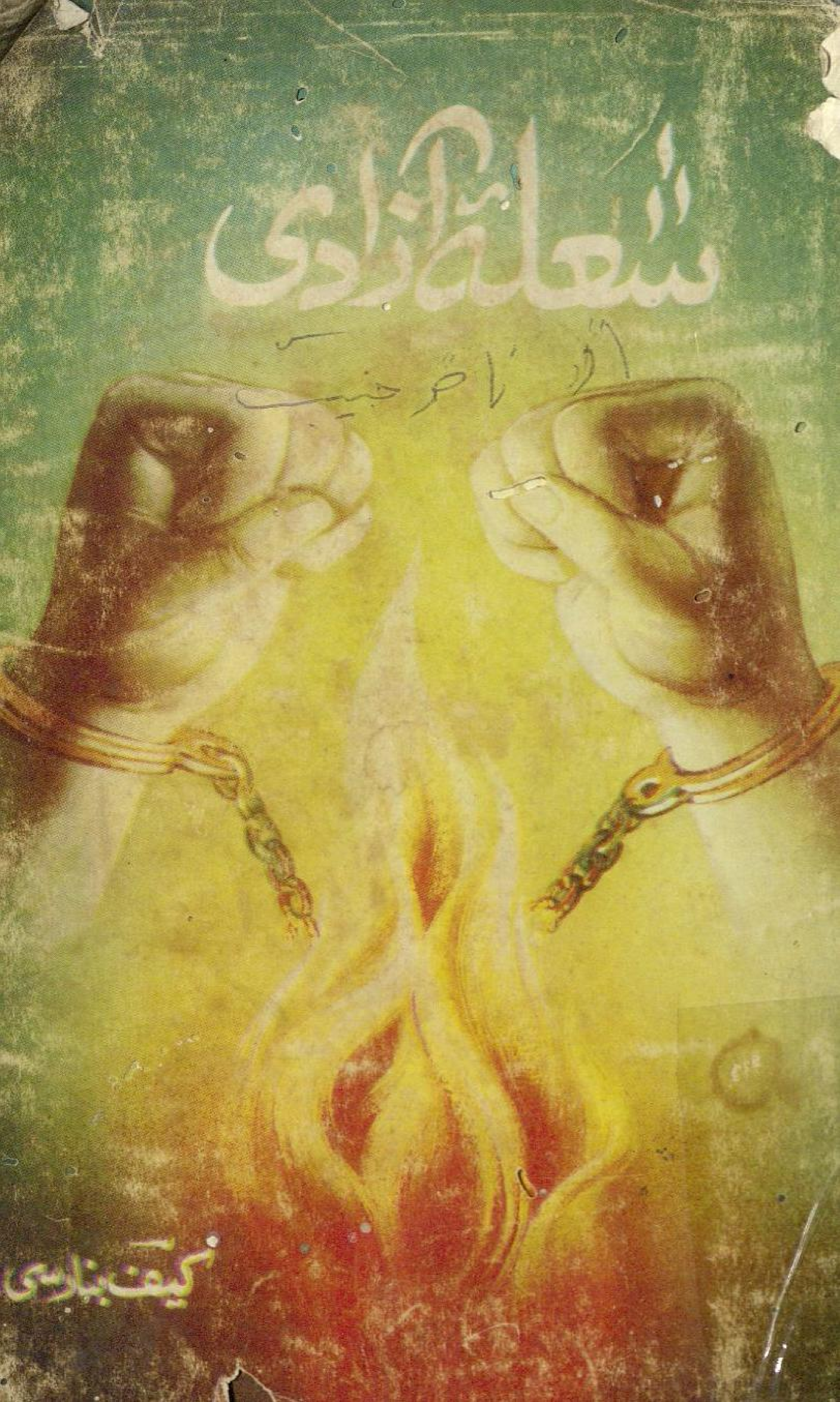

شعلۂ آزادی
کیف بنارسی

نام و پتہ ۔ ابراہیم جان محمد

NP 6/12 رنچھوڑ روڈ ۔ کراچی

شعلۂ آزادی

تحریکِ پاکستان کے مُمتاز حامی

سیّد یاور حسین کیفؔ بنارسی

کی

وَلولہ خیز تقریر اور
اَثر انگیز قومی نظموں کا
یادگار انتخاب!

مکتبۂ کیف
بی ۱۴۴۔ کورنگی ٹاؤن کراچی ۔ ۳۱

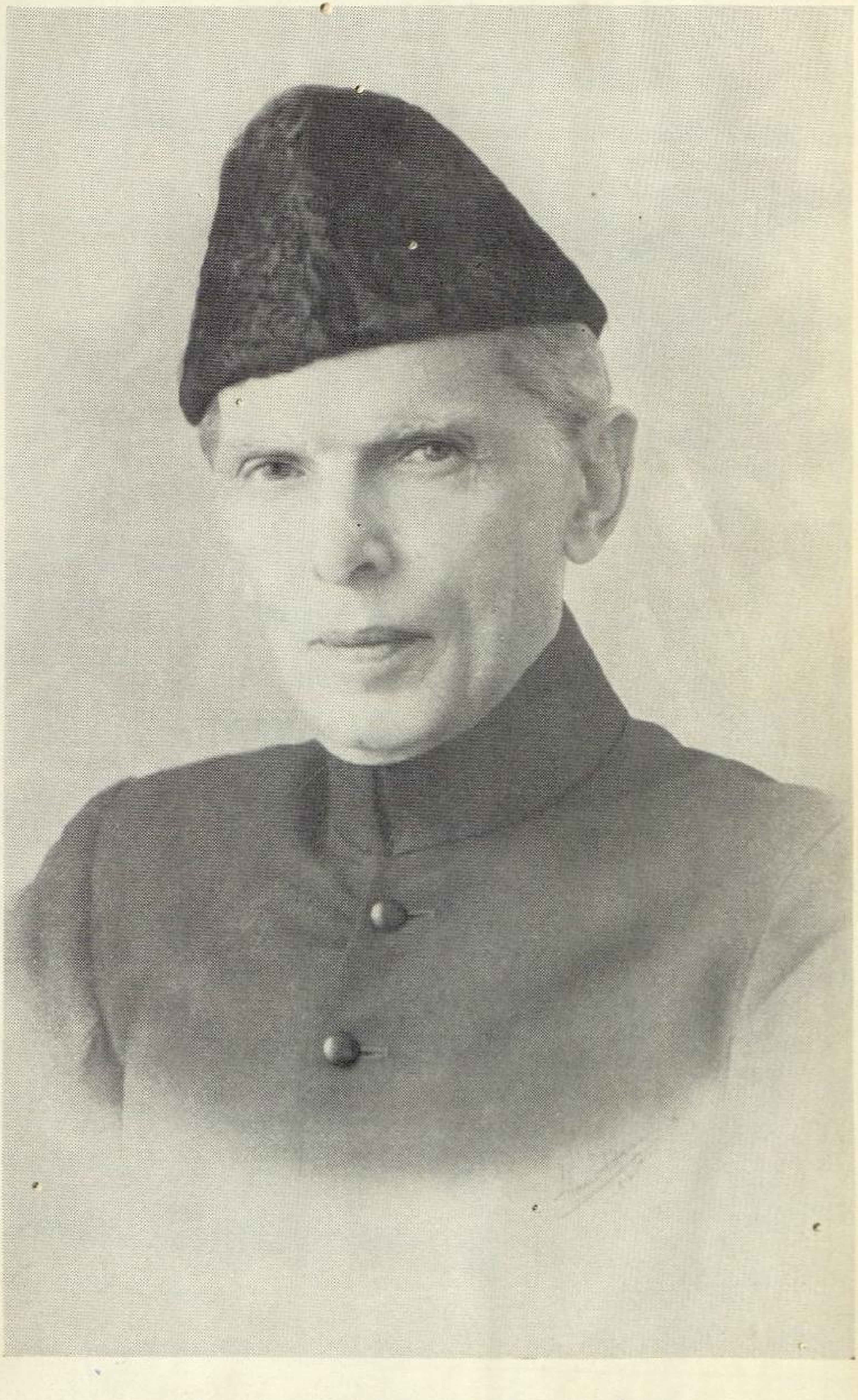
027243

(جملہ حقوق بحقِ مؤ... محفوظ)

اِشاعت ایک ہزار
پہلی بار اگست ۱۹۶۸ء
کتابت شگفتہ رستم
مصوّر صدیقی
دلاور مرزا
ناشر مکتبۂ کیف
قیمت: مقبولِ عام اڈیشن
آرٹ پیپر پر خصوصی اڈیشن

ملنے کا پتہ
مُشتاق بُک ڈپو ـــــــــ کراچی-۱

شہیدانِ جنگِ آزادی کے نام



بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح
تصویر — بہ شکریہ احمد حسین

حسنِ ترتیب

پبلشر غلام محمد غوری نے انجمن پریس سے چھپوا کر مکتبۂ کیف کراچی سے شائع کیا

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No:
★ MAILSI ★

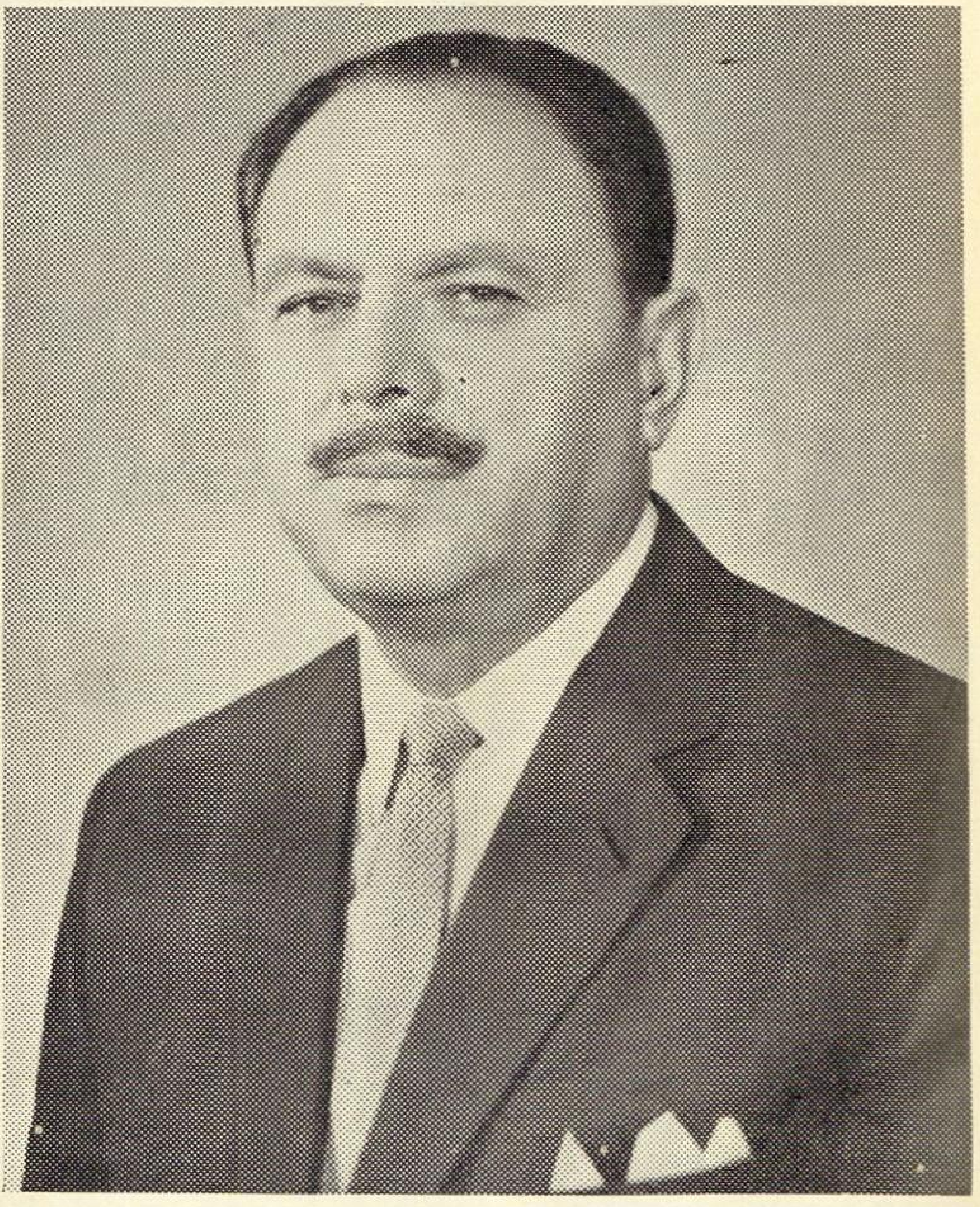
سرمایۂ شوق

★ ______ عزمِ باطل شکن

★ ______ قائد کا آٹوگراف

★ ______ پاکستان کا خیالی پرچم

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY



صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان

عزمِ باطل شکن

یہ تاریخی الفاظ دل کی دھڑکن بنکر قوم کے سینہ میں ہمیشہ محفوظ رہیں گے۔

"۔۔۔۔ ہندوستانی حکمرانوں کو ابھی تک اس بات کا احساس نہیں ہے کہ انہوں نے کس قوم کو للکارا ہے۔ اس ملک کے دس کروڑ باشندے، جن کے دلوں میں
لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط
کی صدائیں گونج رہی ہیں، اُس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک کہ دشمن کی توپوں کو ہمیشہ کے لئے خاموش نہ کر دیں۔ پاکستان کے عوام پُورے اعتماد کے ساتھ اور اپنے مقصد کی سچائی پر یقین رکھتے ہوئے فردِ واحد کی طرح متحد ہو کر لڑیں گے، اور اللہ پر بھروسہ رکھیں گے جس نے اپنے بندوں سے یہ وعدہ کیا ہے کہ حق کی فتح ہو گی ۔۔۔۔"

فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں

صدرِ پاکستان

اقتباس از نشری تقریر

۶ ستمبر ۱۹۶۵ء

قائد کا آٹوگراف

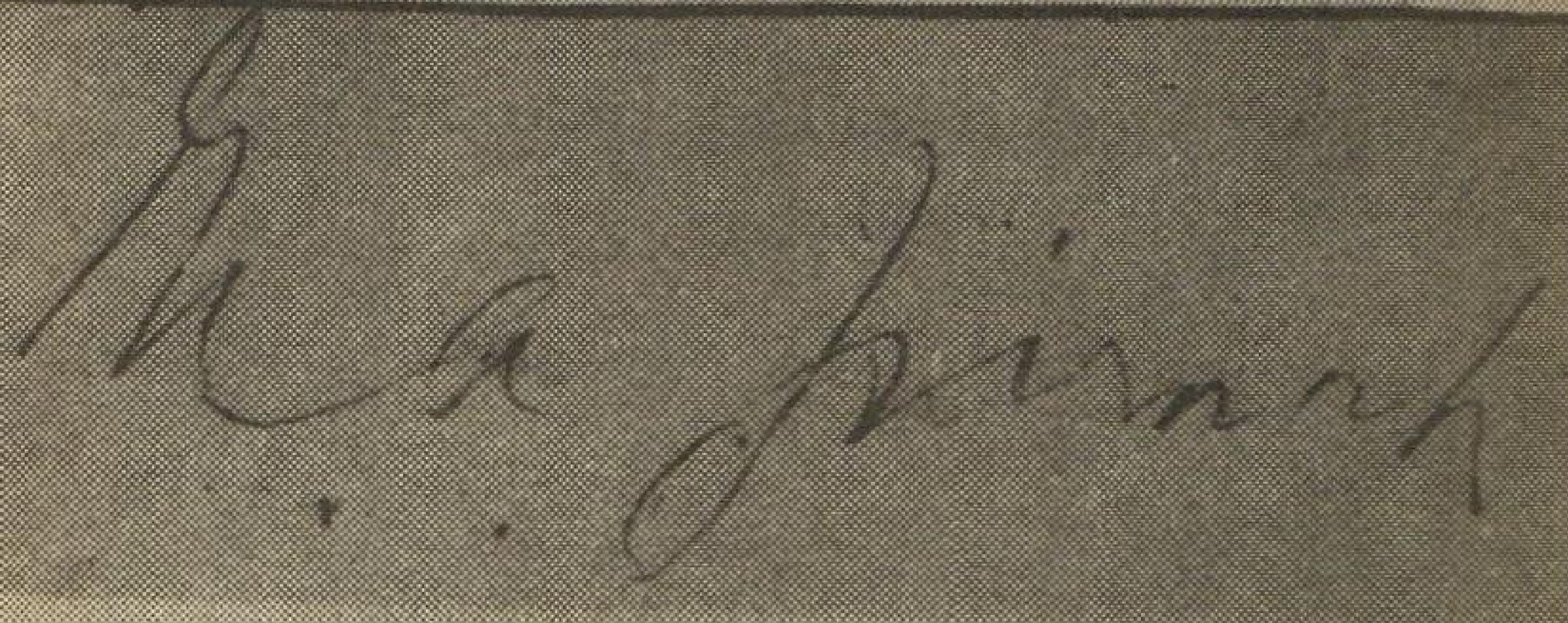
۱۶ ؍ اپریل ۱۹۴۸ء کو ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں تقریر کرنے کے بعد جب قائدِ اعظم رخصت ہونے لگے تو میں نے اُن کا آٹوگراف لینے کے لئے خواجہ شیر جان سپرنٹنڈنٹ پولیس سے اجازت چاہی۔ انہوں نے اپنے ریوالور پر ہاتھ رکھا اور مجھے سختی سے منع کر دیا۔

اِدھر میں طے کر چکا تھا کہ آٹوگراف ضرور لونگا۔ ایک ہاتھ میں کھلی ہوئی نوٹ بک اور دوسرے میں کھلا ہوا فاؤنٹین پین لیکر میں قائد کی کار کے دوسرے دروازے کی جانب بڑھا۔ قائد جیسے ہی کار میں بیٹھے، اُنکی نظر مجھ پر پڑی۔ انہوں نے سر کی ہلکی سی جنبش سے مجھے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ اُن کے قریب پہنچ کر میری قوتِ گویائی سلب ہو گئی۔ صرف اشاروں میں مدعا بیان کیا۔

وہ ہلکے سلیٹی رنگ کی شیروانی، ہم رنگ جناح کیپ، سفید شلوار اور "سفید و سیاہ رنگ" کے جوتے پہنے تھے۔ اُن کے داہنے ہاتھ میں سگار تھا۔ انہوں نے سگار منہ میں دگایا۔ میری نوٹ بک اور میرا قلم لے کر آٹوگراف دینے لگے۔ ایم۔ اے۔ تو ٹھیک لکھا لیکن جب "جے" لکھنے لگے تو قلم کی روشنائی خشک ہو گئی۔ وہ قلم نہایت معمولی تھا اور اُسکی سیاہی اُس سے زیادہ گئی گزری تھی قائدِ اعظم مسلسل قلم چلا رہے تھے لیکن وہ لکھنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ سارا مجمع دم بخود تھا اور مجھے اپنے دل کی دھڑکن صاف سُنائی دے رہی تھی۔ آخر بڑی مشکلوں سے انہوں نے لفظ 'جناح' لکھ کر آٹوگراف پورا کیا۔ اِس دوران میں' میں نے کئی بار اُن کے چہرہ کو دیکھنے کی کوشش کی لیکن ہر بار ناکامی ہوئی۔ سچ پوچھیے تو غالب کا یہ شعر اُسی دن سمجھ میں آیا ہے۔

نظّارہ نے ہی کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نظر ترے رُخ پر بکھر گئی

قائدِ کے آٹوگراف کا عکس



قائدِ اعظم نے یہ آٹوگراف بمقام ڈیرہ اسمٰعیل خاں
بتاریخ ۲۶ر اپریل ۱۹۴۸ء کیف بنارسی کو عطا فرمایا۔

پاکستان کا خیالی پرچم

یکم اگست ۱۹۴۷ء کو ماہنامہ "نورجہاں" دہلی کا "پاکستان نمبر" شائع ہوا جس کا ٹائیٹل برصغیر کے ممتاز آرٹسٹ صدیقی نے بنایا تھا۔ ٹائیٹل میں آزادی کی دلہن کو گھوڑے پر سوار پاکستان کا پرچم لے کر آتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ پاکستان میں "چراغاں" اور مسلمانِ ہند کو پاکستانی پرچم کی جانب بصد حسرت دیکھنے کا منظر تھا۔

اُس وقت تک پاکستان کا پرچم سرکاری طور پر منظور نہیں ہوا تھا لیکن صدیقی نے جس بالغ نظری سے کام لے کر پاکستان کے خیالی پرچم کو پیش کیا وہ حقیقی پرچم سے بیحد مشابہ ہے اور اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ تحریک پاکستان کے دوران عوام اور رہنماؤں کے خیالات و جذبات کس قدر ہم آہنگ تھے۔

صدیقی نے اکثریت کے لئے سبز رنگ، اقلیت کے لئے سفید رنگ، اسلامی مملکت کے تصور کے لئے ہلال اور صوبوں اور ریاستوں کی مناسبت سے پانچ تارے پیش کئے تھے۔ سرکاری پرچم میں بھی یہی سب چیزیں موجود ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پانچ تاروں کی جگہ پانچ کونوں والا ستارہ ہے۔ اور سفید رنگ کی ترتیب مختلف ہے۔



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

مقدّمہ

(سیّد ابوالحسنین رضوی، ایم۔اے)

حصولِ پاکستان کی جدوجہد میں یوں تو مسلمانوں کے ہر طبقہ نے اپنی ہمّت و بضاعت کے مطابق حصّہ لیا، لیکن یہ حقیقت مُسلّمہ ہے کہ سب سے زیادہ قربانیاں نوجوانوں نے پیش کیں۔ تحریکِ پاکستان میں تباہ و برباد ہونے والے نوجوان آج کہاں ہیں اور کس حال میں زندگی بسر کر رہے ہیں بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ان وفا کیش نوجوانوں کی داستانِ ایثار و قربانی ملک و ملّت کے سامنے پیش کی جائیں، تاکہ آنے والی نسلیں اپنی ذمّہ داریاں محسوس کر سکیں۔

تحریکِ پاکستان میں حصّہ لینے والے لاکھوں نوجوانوں میں سیّد یاور حسین کیفؔ بنارسی کی شخصیت بڑی نمایاں ہے۔ انیس (19) برس کے سن میں اس کی شعلہ بیانی نے مشرقی یو۔پی میں ہلچل مچا دی تھی۔ اس نے کم عمری کے باوجود بڑے بڑے جلسوں میں منجھے ہوئے سیاسی لیڈروں کے مدِّمقابل تقریریں کیں

اور عوام کے دل و دماغ پر چھا گیا۔

بنارس میں مسلم لیگ کا ٹکٹ ۱۹۴۵ء کے الیکشن میں حاجی عبد الشکور صاحب نائب صدر مسلم لیگ کو دیا گیا تھا۔ حاجی صاحب بڑے پُرخلوص اور درد مند مسلمان تھے، لیکن بد قسمتی سے تعلیم یافتہ نہ تھے، اس لئے جلسے جلوس میں تقریر کرنے سے معذور تھے۔ ان کے مقابلہ میں خلیل داس کھڑے ہوتے جن کا شمار ہندوستان کے چوٹی کے مقرروں میں ہوتا تھا۔ اور بلاشُبہ بہادر یار جنگ، عطاء اللہ شاہ بخاری اور ظفر علی خاں کے علاوہ تقریر میں ان کا مقابلہ اور کوئی نہ کرسکتا تھا۔ وہ کئی زبانوں کے ماہر تھے۔ انگریزی، فارسی، عربی، سنسکرت اور اُردو میں یدِطولیٰ رکھتے تھے۔ اُن کی جادو بیانی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ان کی تقریر کے دوران موسلا دھار بارش میں بھی سامعین جلسہ چھوڑ کر نہیں اُٹھتے تھے۔ ۱۹۳۰ء میں ہزاروں مسلمانوں نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ پیری، مُریدی بھی کرتے تھے، چنانچہ اُن کے ہزاروں مُرید جان نثار کرنے کو تیّار رہتے تھے۔

قرآن۔ انجیل۔ توریت۔ زبور کے علاوہ چاروں ویدوں کے بھی عالم تھے۔ مسلمان اُنہیں "بابا" اور ہندو "داس" کہتے تھے۔ عام طور سے وہ خلیل داس کے نام سے مشہور تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خلیل داس کے جلسوں میں ہزاروں کا مجمع ہوتا اور مسلم لیگ کے جلسوں میں "ہُو" کا عالم۔ بڑی پریشانی کا وقت تھا۔ دوسرے شہروں سے مقرروں کو بُلانے کی کوشش کی گئی۔ جواب آیا

"ہر جگہ گھمسان کا رن ہے۔ اللہ پر بھروسہ رکھئے اور الیکشن جیتنے کی کوشش کیجئے"

چونکہ الیکشن کے نتیجہ پر اس بات کا فیصلہ ہونا تھا کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور یہ کہ مسلمان پاکستان چاہتے ہیں۔ اس لئے الیکشن میں کامیابی ہر قیمت پر ضروری تھی۔ صورتِ حال پر غور کرنے کے لئے نوجوان طالبعلموں کا جلسہ ہوا۔ سب کی نگاہیں یاور حسین پر پڑیں۔ یاور حسین جو تین سال تک بنارس کے تمام اسکولوں اور کالج کا بہترین مقرر رہ چکا تھا اور اُس وقت ریلوے اکاؤنٹس آفس میں ملازم تھا۔ یاور حسین نے اپنا اور اپنے گھر کے مستقبل کا خیال کئے بغیر ملازمت سے استعفیٰ دیدیا اور الیکشن کے ہنگامے میں کود پڑا۔ اس کی شمولیت سے مسلم لیگ کو زبان مل گئی۔

یاور حسین نے بنارس کے مشہور مسلم اسکول، جے۔ نرائن ہائی اسکول اور اینگلو بنگالی کالج میں تعلیم پائی تھی۔ اُس کا زمانۂ طالب علمی انتہائی شاندار تھا۔ وہ نہ صرف کلاس میں ہمیشہ اوّل آتا تھا، بلکہ بہ یک وقت کرکٹ اور فٹ بال ٹیموں کا کپتان۔ اسکول میگزین کا اڈیٹر، بزم ادب کا سکریٹری۔ بہترین اسکاؤٹ اور اسپورٹس مین تھا۔ اس نے سب سے زیادہ شہرت "تقریر اور بیت بازی" میں حاصل کی اور بے شمار انعامات حاصل کئے۔ ۱۹۴۰ء میں "یومِ تعلیم" پر ایک نظم لکھنے پر اُسے زندگی میں پہلا انعام محمد حسین آزاد کی غیر فانی تصنیف

"آبِ حیات" کی شکل میں ملا۔ اس کتاب نے یاور حسین کی تقریر و تحریر کو رنگینی و رعنائی عطا کی۔ ۱۹۴۱ء میں سرسید کے مضامین نے خلوص دیا۔ ۱۹۴۲ء محمد علی جوہر کی تحریروں نے شعلہ نوائی دی۔ ۱۹۴۳ء میں سلطان ٹیپو اور مصطفےٰ کمال کی سوانح حیات نے ہمت و جرأت بخشی۔ ۱۹۴۴ء میں قائدِ اعظم کی محبت نے اس کے دل کو سوز دیا اور جب ۱۹۴۵ء میں وہ خلیل داس کے مقابلہ میں تقریر کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو وہ ان تمام ہتھیاروں سے مسلح تھا جو ایک مقرر کے لئے لازمی ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ہوا کا رُخ بدل دیا۔ مسلم لیگ کے جلسوں میں جہاں پہلے گنتی کے سامعین ہوتے تھے وہاں ہزاروں کا مجمع ہونے لگا۔ خلیل داس جس جگہ جلسہ کرتے اُسی جگہ دوسرے روز یاور حسین تقریر کرتا اور اُن کی جادو بیانی کے طلسم کا پردہ چاک کرتا۔ اس سے پہلے عوام نے اتنے کم عمر شعلہ بیان مقرر کو کبھی نہ سُنا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ پروانہ وار مسلم لیگ میں شامل ہوتے چلے گئے اور بالآخر الیکشن کے دن خلیل داس کو ساڑھے آٹھ ہزار ووٹوں سے ایسی عبرتناک شکست ہوئی کہ ہمیشہ یاد رہے گی۔

یاور حسین نے یوں تو اس زمانے میں بے شمار تقریریں کیں اور مشرقی یو۔ پی کے بیشتر مقامات کا دَورہ کیا لیکن اُس کی بہترین تقریر "صدائے قلب" ہے۔ یہ تقریر دراصل جنگ آزادی کے نوجوانوں کا منشور رَجز ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھنا چاہے۔ جنگ آزادی کے وقت نوجوانوں کے جذبات کیا تھے تو اس تقریر سے

بہتر عکاسی کہیں اور نہیں مل سکتی۔ لیکن اس تقریر کی شانِ بیان بھی عجب ہے۔

یادر حسین چوک کے جلسے میں اپنی معرکہ آرا تقریر کے بعد جب ڈائس سے اُتر رہا تھا تو ایک غریب شخص نے بڑھ کر اُسے گلے لگا یا اور کہا کہ آل انڈیا مسلم اسٹوڈینٹس فیڈریشن ضلع غازی پور کی ڈویژنل کانفرنس میں خان لیاقت علی خان شریک ہو رہے ہیں لہٰذا وہ بھی ضرور شرکت کرے۔ یادر حسین کانفرنس کے مدعو شدہ مقرروں میں نہیں تھا لیکن وہ غریب آدمی ضد کر کے اُسے غازی پور لے گیا۔ کانفرنس شروع ہوئی۔ پہلے مقرر نے جیسے ہی تقریر ختم کی وہی "غریب شخص" صدرِ جلسہ کے پاس پہنچا اور درخواست کی کہ بنارس سے ایک بہت اچھا مقرر آیا ہے۔ برائے کرم چند منٹ تقریر کا موقع دیا جائے۔ صدرِ جلسہ نے بڑی حقارت سے اُس کی درخواست ٹھکرادی۔ "غریب شخص" نے اپنی ٹوپی صدر کے پیروں پر رکھ دی اور بڑی لجاجت سے کہا "حضور صرف پانچ منٹ کی اجازت دیدیجئے"۔ یادر حسین اس منظر کی تاب نہ لا سکا اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آسمان کی طرف دیکھا۔ خدا سے التجا کی۔

"پالنے والے صرف پانچ منٹ کی اجازت مل جائے تا کہ
میں صدرِ جلسہ کو بتا سکوں کہ تقریر کسے کہتے ہیں۔"

صدرِ جلسہ نے بڑی بے دلی سے کہا "نہ معلوم کہاں سے لوگ آجاتے ہیں جاؤ بُلا لاؤ۔ لیکن پانچ منٹ سے زیادہ کی اجازت نہیں"۔ غریب شخص نے اشارہ کیا۔ یادر حسین اللہ کا نام لے کر اُٹھا اور پھر اُس نے ایک گھنٹہ تک تقریر کی۔ جو صدائے

قلب کے نام سے ہمیشہ زندہ رہے گی۔ پچاس ہزار فرزندانِ توحید، بنارس کے اس ننھے لیڈر کی تقریر کا جواب فلک شگاف نعروں سے دیتے رہے۔ اس تقریر نے لوگوں کو اس قدر متاثر کیا کہ دوسرے دن صبح کو سبجیکٹ کمیٹی کی صدارت کے لئے یاور حسین کو منتخب کیا گیا۔ کانفرنس دو روز تک ہوتی رہی۔ دوسرے دن حاضرینِ جلسہ کے شدید اصرار پر جناب صدر نے یاور حسین کو تقریر کرنے کے لئے دوبارہ بلایا اور اس طرح اس کی دوسری تقریر کے بعد کانفرنس اختتام پذیر ہوئی۔

۱۴راگست ۴۷ء کو پاکستان وجود میں آیا۔ ۷راکتوبر ۴۷ء کو یاورِ حسین ہجرت کے دوران بمبئی پہنچا۔ وہاں پلیٹ فارم نمبر ۱۰ اور نمبر ۱۱ پر بے شمار مہاجرین بڑی کسمپرسی کے عالم میں پڑے تھے۔ تعفّن کے مارے دماغ پھٹا جارہا تھا۔ نفسا نفسی کا عالم تھا۔ یاور حسین فوراً روزنامہ انقلاب کے دفتر پہونچا۔ اڈیٹر کی توجہ مبذول کرائی۔ ایڈیٹر نے بڑی خندہ پیشانی سے اپنے کالم کی پیشکش کی اور کہا۔ "آپ اپنے تاثرات ہمیں عطا کیجئے ہم انشاء اللہ نمایاں طریقے سے عوام کے سامنے پیش کریں گے۔" یہاں تقریر کا موقع نہیں تھا۔ یاور حسین نے اپنی قوتِ تحریر کے جوہر دکھلائے۔ اس نے ایک انتہائی دردانگیز مضمون "مسلمانِ بمبئی سے دو دو باتیں" سپردِ قلم کیا۔ جس میں مسلمانانِ بمبئی کی قومی خدمات کو شاندار خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے پلیٹ فارم نمبر ۱۰ اور نمبر ۱۱ کی حالتِ زار پر توجہ دلائی تھی۔ ۹ راکتوبر کو "انقلاب" میں مضمون

شائع ہوا۔ بمبئی میں اخبارات صبح پانچ بجے ہی گھروں پر پہونچنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس مضمون نے ساری بمبئی کو ہلا کر رکھ دیا۔ ۹ بجے تک کاروں، ٹیکسیوں اور دیگر گاڑیوں کا تانتا بندھ گیا۔ سب کا رُخ بمبئی۔ وی۔ ٹی۔ اسٹیشن کی طرف تھا۔ مسلمانوں کے بے شمار اسکول کالج بند ہو گئے۔ باغوں میں خیمے، شامیانے لگ گئے اور ہر جگہ مہاجرین کو لا کر ٹھہرایا گیا۔ شام ہوتے ہوتے سارا پلیٹ فارم مہاجروں سے خالی ہو گیا۔ بمبئی کے مسلمانوں نے مہاجروں کی وہ خدمت اور خاطر مُدارات کی کہ ہمیشہ یاد رہے گی۔ اور یہ سب یاور حسین کے ایک پُرخلوص اور دَرد میں ڈُوبے ہوئے مضمون کا نتیجہ تھا۔ افسوس کہ وہ مضمون انتہائی کوشش کے باوجود حاصل نہ ہو سکا۔ ورنہ اس کتاب میں ضرور شامل کیا جاتا۔ بہرحال اس کا تذکرہ یہاں اس لئے کیا گیا کہ یہ مضمون اثر انگیزی اور نتائج کے لحاظ سے بہت سی کتابوں پر بھاری ہے اور ممکن ہے آئندہ کوئی تذکرہ نویس اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

نظمیں:

پاکستان میں شاعروں کی کمی نہیں۔ ہر تیسرا شخص شاعر ہے۔ پیدائشی شاعروں سے لے کر بڑے بڑے شاعرِ انقلاب اور شاعری کے نقّادِ اعظم تک موجود ہیں لیکن تحریکِ پاکستان میں اور قیامِ پاکستان سے استحکامِ پاکستان تک جب ہر طرف مایوسی اور تاریکی چھائی ہوئی تھی، جب پاکستان زخموں سے چُور چُور تھا،

اُس وقت ان میں سے بہتوں کا دُور دُور تک نام ونشان نہ تھا۔ ان میں سے بیشتر نے پاکستان اور قائدِ اعظم کا مذاق اُڑایا اور مخالفت کی۔ لیکن یہ شرف کیفؔ کو حاصل ہے کہ اُس نے ہر دَور میں اُمید کی شمعیں روشن کیں۔ مہاجروں کے زخموں پر مرہم رکھا۔ انصار کو اُن کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا۔ حکام کو اُن کے فرائض یاد دلائے۔ عوام کی ہمت بڑھائی۔ فوجوں کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ مسلمانانِ کشمیر کی امداد کے لئے للکارا۔ مجاہدینِ کشمیر کے لئے رَجز لکھا۔ قوم کو زندگی کا پیام دیا۔ قوم کی خستہ حالی کی طرف توجہ دلائی۔ خُدا اور رسول کا واسطہ دے کر سب کو وطن کی حفاظت کے لئے سرگرم عمل کیا۔ مختصر یہ کہ جب ہر شخص اپنی اپنی فکر کر رہا تھا۔ کیفؔ نے اپنا مستقبل تاریک کر کے وطنِ پاک کے مستقبل کو روشن کرنے کیلئے فکر کے چراغ روشن کئے۔ ۴۷ء سے ۵۲ء تک کیفؔ نے مسلسل لکھا اور خوب لکھا۔ چنانچہ ۵۲ء میں جب "پاکستان کے پانچ سال" تالیف کی گئی تو اردو شاعری کی پانچ سالہ ترقی کا جائزہ لیتے ہوئے تبصرہ نگار نے کیفؔ کو اِن الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا۔

"پاکستان میں نوجوان شاعروں کا ایک ایسا طبقہ اُبھر رہا ہے جس نے حب الوطنی کو اپنی نظموں کا موضوع قرار دیا ہے۔ ان میں جناب کیفؔ بنارسی نے بڑی اثر انگیز نظمیں لکھی ہیں۔"

۴۸ء میں اُس نے کہا تھا۔

دشمن کے دستِ ظلم سے شمشیر چھین لیں
آؤ کہ بڑھ کے وادیٔ کشمیر چھین لیں

کاش کوئی اس مشورہ کو سُن لیتا۔
اُس نے اسی نظم میں سوال کیا تھا۔

کب تک کسی سے وعدۂ فردا کریں گے ہم؟
اپنے ہی اعتماد کو رُسوا کریں گے ہم!
کب تک یہ جنگ دُور سے دیکھا کریں گے ہم؟
کل ہم پہ آنچ آئی تو پھر کیا کریں گے ہم؟

اگر اس سوال کا جواب اُسی وقت دے دیا جاتا تو پھر کبھی ملک پر آنچ نہ آتی۔ "پیمانِ وفا" انتہائی مایوسی کے وقت ہی کہی گئی تھی۔ اُس میں بھی عزم و یقین کا یہ عالم ہے۔

نااُمیدی کیا ہے عزمِ کامراں پیدا کریں
غم کی تاریکی میں عیشِ ضوفشاں پیدا کریں
خونِ دل دے کر بہارِ جاوداں پیدا کریں
بجلیوں پر خود گرے وہ آشیاں پیدا کریں
بن کے مانندِ شعاعِ جلوۂ امید ہم
جگمگائیں دہر میں پھر صورتِ خورشید ہم

جام چھلکائیں گے ہر دل میں مئے گلفام کا
رنگ اُڑا دیں گے مزاجِ گردشِ ایام کا

تا اَبد زندہ رہے گی آن بھی اور جان بھی
ہم بھی تابندہ رہیں گے اور پاکستان بھی

مہاجروں اور انصاروں کے درمیان بے حد خوشگوار تعلقات استوار کرنے کے لحاظ سے "مہاجرین کے نام" اور "انصار کے نام" بہت مقبول ہوئی تھی۔ "حقیقتِ تلخ" میں بڑا کرب ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے غم کی تاریکی میں خود کیفؔ بھی کھو جائے گا۔ لیکن آخر میں "غیرتِ اسلام" اور "نبیؐ کے آخری پیغام" نے بڑی تسکین پہونچائی۔ یہ نظم کیفؔ کی مشہور ترین کاوشوں میں سے ہے جس میں خلوص کی تڑپ بدرجۂ اتم موجود ہے۔ "عرضِ حال" "حقیقت تلخ" کی طرح بے حد اثر انگیز ہے۔ "فسانۂ درد" یقیناً نظم ہی نہیں بلکہ ایک کارنامہ بھی ہے جو ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اس نظم نے حکومتِ وقت کے فیصلہ کو تبدیل کرا دیا اور کیفؔ کو قائدِ اعظم سے ہمکلام ہونے اور ہزاروں افراد کو اُن کی تقریر سُننے کا موقع فراہم کیا۔ "مژدۂ جانفزا" میں وہ ساری کیفیت موجود ہے جو ٹوٹے ہوئے دل کو اچانک سہارا ملنے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔

"غمزدہ مہاجر سے" کیفؔ کی غیر فانی نظم ہے۔ اس نظم کے بارے

اسلامیہ کالج پشاور کے سابق پروفیسر موسیٰ کلیم نے کیفؔ کو یوں خراجِ تحسین پیش کیا۔

"علامہ اقبالؔ کی نظم ؎ کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد
کے بعد، اردو ادب میں اس پائے کی نظم آج تک نہیں کہی گئی۔"

ملک کے مقتدر رسالہ "مخزن" سے اس کا انتخاب "نوائے پاک" کے لئے کیا گیا۔ جس میں پاکستان کی بہترین قومی نظمیں شامل ہیں۔ (۱۹۵۱ء)

آج وطن کی عظمت کے گیت گانے والے ہزاروں ہیں لیکن ۱۹۴۷ء میں جب دوسرے ؎

یہ داغ داغ اُجالا یہ شب گزیدہ سحر

کہہ رہے تھے تو کیفؔ سراپا استقلال اور مجسّم یقین بنا ہوا، تباہ و برباد اور شکستہ حال مہاجروں کو روشن مستقبل کا پیام دے رہا تھا۔ بڑا نازک وقت تھا۔ بڑے بڑے حوصلہ مند لیڈروں کے اوسان خطا تھے۔ حکومت کی کشتی غم و اندوہ اور مصائب کے سیلاب میں ڈگمگا رہی تھی۔ ناگاہ کیفؔ کی آواز گونجی اور لاکھوں ٹوٹے ہوئے دلوں کو سہارا مل گیا۔ اُس نے عزم و یقین کے سانچے میں ڈھل کر کہا ؎

ذرا سکون تو لینے دے گردشِ ایّام
ہم اپنے واسطے دُنیا نئی بسائیں گے

بُھلا کے ھند کی رنگینیاں دماغوں سے
یہاں کی خاک سے اپنا وطن بنائیں گے

وہ کیفِ صبحِ بنارس وہ لُطفِ شام اودھ
ہم اپنے جذبِ تصور سے کھینچ لائیں گے

تم ایک تاج محل کے لئے فسردہ ہو
ہزار تاج محل ہم یہاں بنائیں گے

ہم اپنے ملک کی زینت کے واسطے اے دوست
فلک سے چاند ستارے بھی توڑ لائیں گے

گئے وہ دن کہ جہاں ہم پہ مسکراتا تھا
ہم آج خود ہی زمانے پہ مُسکرائیں گے

خوشی کا وقت ہے اے دوست غم کا وقت نہیں
کہ آج پائی ہے اسلامیوں نے آزادی

"۱۲ ستمبر ۴۸ء" درد والم کی مکمل تصویر ہے۔

"نذرِ قائد" محبوب کے لئے حبیب کا نذرانہ ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

اشکوں میں لہو دل کا ملا تیرے لئے ہے — دِل سوزیٔ اربابِ وفا تیرے لئے ہے
تحسین و ستائش کی صدا تیرے لئے ہے — کونین کے ہونٹوں پہ دُعا تیرے لئے ہے
اللہ کی یہ خاص نوازش ہو ہمیشہ — تُربت پہ تری پھول کی بارش ہو ہمیشہ

کیفؔ کو کشمیر سے اتنی محبت کیوں ہے؟ مجھے نہیں معلوم۔ لیکن جو شخص کبھی کشمیر نہ گیا ہو، محض تصورات کے سہارے "کشمیر فطرت کی آغوش میں" ــــــ اور "کشمیر جنگ کے شعلوں میں" لکھ سکے تو یقیناً اس کی خاک کو کشمیر کی خاک سے ضرور کچھ نسبت ہوگی۔ یہ دونوں نظمیں بیحد حسین ہیں اور رنگینی و رعنائیِ خیال کا شاہکار ہیں۔

"شکستِ دل" سماجی پہلو کی نشان دہی کرتی ہے اور بڑی حد تک دلوں میں ارتعاش پیدا کرنے میں کامیاب ہے۔

"بہن" کیفؔ کی اپنی زندگی کا المیہ پہلو ہے اور دُنیا کی ساری بہنوں کے لئے ایک دل کش خراجِ تحسین!

اے خدائے دو جہاں اے مالکِ ارض و سما ــــ اے جلیل المرتبت اے منبعِ نور و ضیا

یوں تو اپنے کیفؔ کو ہر چیز کی تو نے عطا ــــ رنج و غم دردِ و الم سوزِ جگر سب کچھ دیا

لیکن اس نعمت سے کیوں محروم تو نے کر دیا ــــ شیشۂ دل توڑ کر کیوں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا

خوگرِ ضبطِ خلش آہ و فغاں کیوں کر کرے ــــ دل پہ جو کچھ بھی گزرتی ہے بیاں کیونکر کرے

عندلیبِ زار نالاں ہے چمن کے واسطے ــــ میں زمانے میں تڑپتا ہوں بہن کیواسطے

"وہ مسلماں نہیں رہا" اور "اظہارِ حقیقت" شاعر کے بڑھتے ہوئے اضطراب کا عکس ہیں۔ ایک میں رسول کی عظمت اور دُوسری میں خدا کی بزرگی کا سہارا لے کر قوم کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان دو نظموں کے فوراً ہی بعد

۱۹۴۹ء میں "بدل ڈالو" لکھی گئی۔ "بدل ڈالو" بڑے پایہ کی نظم ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ شاعر آنے والے واقعات کو کتنا پہلے دیکھ لیتا ہے۔

کتنے پیارے شعر ہیں ؎

جو رفعتِ مہ و انجم ہو مدِ سعی و طلب
سُبک خرامیٔ گامِ رواں بدل ڈالو

رہے نہ خطرۂ افسردگی کسی گُل کو
نظامِ عہدِ بہار و خزاں بدل ڈالو

ملا کے شعلوں کو آنسو کے قطرہ قطرہ میں
مزاجِ سیلِ سرِ اشکِ رواں بدل ڈالو

رسا نہیں رہے اب نالہ ہائے نیم شبی
نوائے شیون و طرزِ فغاں بدل ڈالو

ابھی غلام ہے دل باوجودِ آزادی
نگاہ و فکر کی پابندیاں بدل ڈالو

کتنا مجبور ہو کر کہتا ہے ؎

چمن میں آگ لگا دیں جو اپنے ہاتھوں سے
وطن کے باغ کے وہ باغباں بدل ڈالو

جنہوں نے دولتِ ملت ہمیشہ لُوٹی ہے
متاعِ قوم کے وہ پاسباں بدل ڈالو

شاعر کا یقینِ محکم کسی عالم میں متزلزل نہیں ہوتا۔ چنانچہ کہتا ہے ؎

ضرور پہونچے گا منزل پہ کارواں لیکن
یہ شرط ہے کہ رہِ کارواں بدل ڈالو

۱۹۵۰ء میں کسے خبر تھی کہ ترقی کی جو رفتار کراچی میں تھی وہ شمال مغربی علاقہ تک پھیل جائے گی۔ لیکن کیفؔ نے اپنی نظم "پشاور یونیورسٹی کا قیام" میں کہہ دیا تھا ؎

زندگی کی لہر دوڑے گی وزیرستان میں
علم کے دریا بہیں گے وادیٔ کاغان میں

اور آج سچ مچ وہاں علم کے دریا بہہ رہے ہیں۔

عام طور سے شعراء کسی یونیورسٹی یا درسگاہ کے قیام پر نظمیں نہیں لکھتے۔ لیکن کیف کو اپنے ہم وطنوں کے لئے تحصیلِ علم کی سہولتوں کا بڑا خیال ہے۔ چنانچہ پشاور یونیورسٹی پر بڑی خوبصورت نظم لکھی۔ اچھے وائس چانسلر اور رجسٹرار کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے

دیکھنا یہ ہے کہ کیونکر رنگ لایا جائے گا — کس طرح تیری بہاروں کو سجایا جائے گا
نقش ہائے رنگِ رُخ کیونکر ابھارے جائیں گے — کس کے ہاتھوں سے ترے گیسو سنوارے جائیں گے

"پاکستانی بچے" پاکستان کی نئی نسل کے تحفظ اور اُن کو عُروج و ترقی سے ہمکنار کرانے کی بڑی پُرخلوص کوشش ہے۔ (۱۹۵۲ء) کتنا دلکش پیرایۂ بیان ہے

مُسکراتے ہوئے ہر سمت گلابی چہرے — جگمگاتے ہوئے پُرنور شہابی چہرے
نشۂ علم سے مخمور کتابی چہرے
آج سرشار ہیں بچپن کی فسوں کاری سے — کل سنبھالیں گے وطن کو بڑی ہشیاری سے

۱۹۵۷ء میں ملک کی جو حالت تھی "کیا ہوا؟" میں بڑی حیرانی کے ساتھ پیش کیا ہے

کیوں رنگ اڑ رہا ہے چمن میں بہار کا؟ — ہر پھول شکوہ سنج ہے کیوں نوکِ خار کا؟
کیوں چاک پیرہن ہے کسی گُل عذار کا؟ — ہر لب پہ تذکرہ ہے رسَن اور دار کا!
اے کیفؔ رسم و راہِ محبت کو کیا ہوا؟

کراچی میں ٹریفک کا مسئلہ موت اور زندگی کا مسئلہ ہے۔ اب تک ہزاروں

قیمتی جانیں ضائع ہو چکی ہیں لیکن کوئی ایسا طریقہ کار اختیار نہیں کیا جا سکا کہ حادثوں کی مؤثر روک تھام ہو سکے۔ نتیجہ یہ ہے کہ کراچی صحیح معنوں میں حادثوں کا شہر ہو کر رہ گیا ہے۔

کیفؔ نے اپنی نظم "حادثوں کا شہر" میں اربابِ اختیار سے بڑی حسرت کے ساتھ سوال کیا ہے ؎

رہے گی موت کی بس خونِ انساں سے رواں کب تک؟
اُٹھے گا سینۂ ہستی سے آہوں کا دھواں کب تک؟
رہیں گے خوابِ غفلت میں ہمارے پاسباں کب تک؟
سرِ بازار لوٹا جائے گا یوں کارواں کب تک؟
ہمارے شہر میں کب ہوگا پھر امن و اماں ساقی؟

"فدائے فرض" ایک نرس کی تیمارداری سے متاثر ہو کر لکھی گئی۔ احساسِ فرض اور ادائے ذمہ داری ملک کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ کیفؔ نے اس نظم میں سعیدہ کو خراجِ تحسین پیش کر کے ملک کے سامنے ایک مثالی کردار پیش کیا ہے۔ اس حیثیت سے یہ نظم ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے۔

۱۹۶۵ء میں پاک بھارت جنگ کے دوران یوں تو پاک فضائیہ کے ہر فرد نے دادِ شجاعت دی۔ لیکن ۱۱؍ستمبر ۱۹۶۵ء کو ستارۂ جرأت پانے والے ہوا باز "فتح مبین"

کا پیام بن گئے۔ اس لئے کہ اُن کی تعداد چودہ ۱۴ تھی جسے اکائی میں تبدیل کیا تو ۴ + ۱ = ۵ حاصل ہوتے۔ اور "فتحِ مبین" کے عدد بھی علم الاعداد کے حساب سے ۳۲ یعنی ۔ ۲ + ۳ = ۵ ہوتے ہیں۔ کیفؔ نے "پاک فضائیہ" میں اس نکتہ کو بڑے لطیف انداز میں پیش کرتے ہوئے اُن ۱۴ ہوا بازوں کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

"نشانِ حیدر" میں میجر عزیز بھٹی شہید کے عزم و شجاعت کی تصویر جگمگا رہی ہے

اے آسمانِ عزم و شجاعت کے آفتاب
میدانِ کارزار میں تیرا نہیں جواب
دونوں جہاں میں حق نے کیا تجھ کو کامیاب
تیرے سپرد فتح و شہادت کا تاج ہے
تیرے حوالے مملکتِ دل کا راج ہے

"دوارکا کی تباھی" پاک بحریہ کے جوانوں کے دلی جذبات اور اُن کی بے مثل شجاعت کا بہترین مُرقع ہے۔

زبان و بیان کی خوبیوں سے مُرصّع نظم "بیت المقدس کی تلاش میں ایک ایسے دل کی کیفیت پیش کی گئی ہے جو عالمِ اسلام کے اِتحاد اور ارضِ مقدس کے حصُول کے لئے تڑپ رہا ہے۔

"پاکستان زندہ باد" آخری نظم ہے جس کا ہر مصرعہ مجسم ساز اور سَراپا حسُن ہے۔

صاحبِ ایثار و کردار شاعر

کیفؔ نے اپنی تحریر و تقریر اور شاعری کو کھانے کمانے کا ذریعہ نہیں بنایا۔
وہ اُسی وقت شعر کہتا ہے جب دل پر کوئی چوٹ لگے۔

چنانچہ ایک جگہ کہتا ہے۔

رات دن غرقِ فکر رہتا ہوں   غم کی موجوں کے ساتھ بہتا ہوں
خونِ دل موجِ اشک بنتا ہے   تب کہیں جا کے شعر کہتا ہوں

بنارس میں ۴۵ء میں ملازمت سے استعفیٰ دینے کے بعد اس نے پندرہ ۱۵ روپے کا ایک ٹیوشن کر لیا تھا اور آٹھ آنے روز پر اپنے دن گزار رہا تھا۔ اُس نے فاقوں کی حالت میں مسلم لیگ کے جلسوں میں تقریریں کیں۔ نائب سالارِ اعلیٰ بنارس مسلم لیگ نیشنل گارڈ کی حیثیت سے چالیس چالیس میل کا پیدل دورہ کیا۔ لیکن کبھی کسی سے کوئی مدد نہ چاہی۔

۴۶ء میں الیکشن کے بعد جب بنارس مسلم لیگ نے میونسپل کمیٹی کی ممبری کی پیش کش کی تو اُس نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں اپنی حقیر خدمات کے صلے میں کوئی اعزاز نہیں چاہتا۔

۴۷ء میں ۲۱ اکتوبر سے ۲۳ اکتوبر تک وہ کراچی میں مقیم رہا۔ اس وقت یہاں بے شمار کوٹھیاں اور بنگلے خالی پڑے تھے۔ ہندوؤں کی اکثریت جا چکی تھی۔ چند کوٹھیوں میں صرف کچھ بوڑھے رہ گئے تھے۔ ایک بوڑھے ہندو نے جب کیفؔ کو بندر روڈ پر ایک بنگلے کی پیش کش کی اور کہا کہ وہ صرف کاغذات پر دستخط کر دے تاکہ وہ دلی جا کر

ثبوت دے سکے کہ وہ کراچی میں صاحب جائیداد تھا۔ تو کیفؔ نے جواب دیا کہ وہ پاکستان اس لئے نہیں آیا ہے۔

اس نے مستقل سکونت ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں اختیار کی۔ وہیں اس کے والدین بھی آباد ہوئے، حکومت نے اُس کے والد کو ایک تین منزلہ مکان، ایک دوکان اور سو کنال زرعی زمین الاٹ کی تھی۔ کیفؔ نے ملازمت کے سلسلے میں زیادہ عرصہ سابق سرحد کے مقامات ڈیرہ اسمٰعیل خان، کوہاٹ، شکردرہ، ٹانک اور لاہور میں گزارا۔ ۵۳ء میں وہ کراچی آ گیا۔ ۵۸ء میں جب اس کے والد صاحب کا انتقال ہوا تو وہ فوراً ڈیرہ اسمٰعیل خاں گیا اور تمام جائیداد کسٹوڈین کو یہ کہہ کر واپس کر دی کہ وہ پاکستان میں کسی الاٹمنٹ کے لئے نہیں آیا ہے۔

اُس کے والد صاحب نے سولہ ۱۶ ہزار روپے کا ایک کلیم داخل کیا تھا جس کا رجسٹریشن نمبر ۳۷۵ مورخہ ۲۰ مارچ ۵۶ء تھا۔ تاریخ سماعت یکم اپریل ۵۸ء تھی لیکن اس کے والد صاحب علالت کے سبب پیروی نہ کر سکے، اور ۵ اپریل ۵۸ء کو رحلت فرما گئے۔ کیفؔ چاہتا تو بڑی آسانی سے کلیم اپنے نام منتقل کرا لیتا اور یہ رقم اس کے بہت کام آ سکتی تھی لیکن اُس نے یہ کلیم داخل دفتر کرا دیا اور کہا کہ وہ اس ملک میں کسی قسم کا کلیم داخل کرنے نہیں آیا ہے۔

ہمارے ملک میں لیڈری کا دعویٰ کرنے والی ایسی شخصیتوں کی کمی نہیں جنہوں نے متروکہ جائداد پر ناجائز قبضہ کیا۔ کروڑوں روپیہ کے جعلی کلیم داخل کئے۔

یہاں تک کہ مجبوراً حکومت کو خاص قوانین بنانے پڑے۔ ایسے شاعروں اور تنقید نگاروں کی کمی نہیں جو ہمیشہ بھارت کے گُن گاتے رہے اور ع

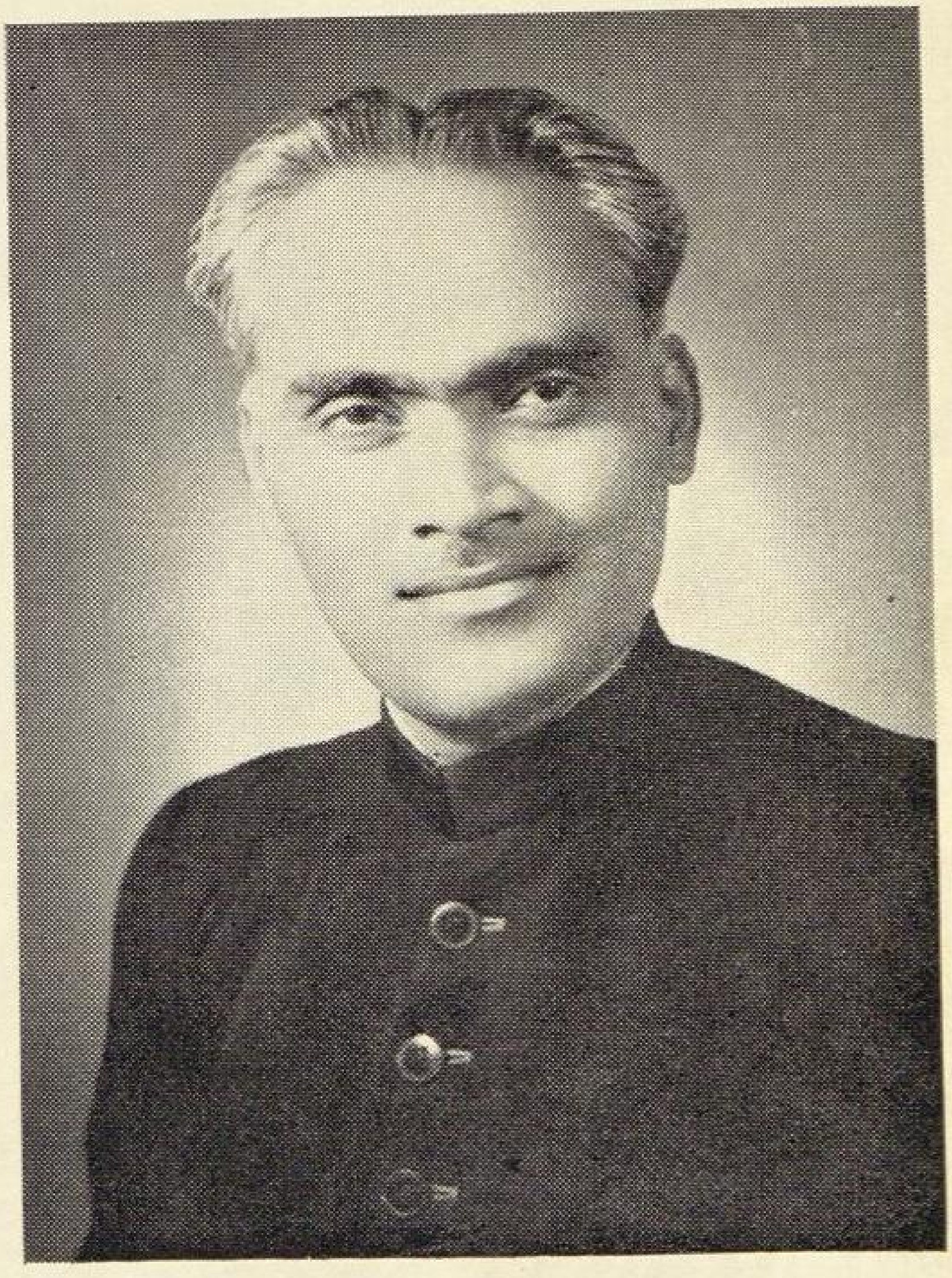
جب دیا رنج بتوں نے تو خدا یاد آیا

کے مصداق اس وقت پاکستان آئے جب اُن کا مستقبل بھارت میں تاریک ہو گیا۔ اور یہاں اُن کی دکانداری چمکنے کی صورت پیدا ہو گئی۔ ان لوگوں کے پست کردار کے سامنے جب ہم کیفؔ کی داستانِ ایثار و قربانی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارا سر فخر سے اونچا ہو جاتا ہے۔ کہ انہوں نے پاکستان کی محبت میں مسلسل قربانیوں کے بعد بھی اپنے لئے دنیاوی عزت، شہرت یا انعام کی خواہش نہیں کی اور پاکستان کی دولت ملنے کے بعد پھر کسی اور دولت کی تمنا نہیں کی۔

قیامت کے دن جب بڑے بڑے شاعر۔ ادیب اور خطیب شہرت کا تاج پہنے اور ناموری کے تمغے لگائے، خدا کے حضور پیش ہوں گے اس وقت کیفؔ کے ہاتھوں میں پاکستان کی مقدّس خاک ہو گی جسے وہ خُدا کے حضور نذر کرے گا اور کہیگا۔

"پالنے والے! ہندوستان میں جب تیرے محبوب کی اُمّت پر وقت پڑا تو میں نے اسی خاک کے حصول کے لئے، تیری عطا کردہ قوتِ تحریر و تقریر اور متاعِ شاعری کو داؤں پر لگا دیا۔
اے مالکِ سزا و جزا، میرے ان پرخلوص آنسوؤں کو جو اس خاک میں جذب ہیں میرے لئے ذریعۂ نجات قرار دے۔"

"شعلۂ آزادی" اس عہد کی ایک گراں مایہ تصنیف ہے جسے علم دوست، ادب نواز اور محبّانِ وطن حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔



کیفؔ بنارسی

پس منظر

پاکستان کا قیام، بیسویں صدی کا ایک ایسا حیرت انگیز واقعہ ہے جس کا تاریخ عالم میں جواب نہیں۔ قوموں کی زندگی میں کبھی کبھی ایسا وقت آتا ہے جب اُنہیں موت اور زندگی میں سے کسی ایک چیز کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ یہ نازک وقت اُن کے جذبۂ ہمت وعمل اور سیاسی بیداری کا بڑا سخت امتحان ہوتا ہے۔ یا تو ہمیشہ کی زندگی یا پھر مکمل تباہی!

قائداعظم نے قوم کو للکارا:-

"پاکستان حاصل کرو یا تباہ ہو جاؤ!"

بڑا نازک وقت تھا۔ لیکن قوم نے یہ سوچ کر کہ یہ موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا، آنے والی نسلوں کی بقا کی خاطر، اپنا تن، من، دھن سب کچھ قربان کرنے کا فیصلہ کیا۔

طلباء نے تعلیم کو خیرباد کہا۔ ملازمت پیشہ افراد نے ملازمتوں کو ٹھکرا دیا۔ تاجروں نے دوکانیں بڑھا دیں۔ علماء نے خانقاہوں کو چھوڑ دیا۔ سب مل کر چلے۔

مخالفتوں کا سر کچلا۔ ہواؤں کا رُخ بدلا۔ آندھی بن کر اُٹھے طوفان بن کر چھا گئے۔ صاحبانِ بصیرت نے اپنی کشتیاں جلا دیں اور فدایانِ ملت نے اپنا آشیانہ خود بجلیوں پر گرا دیا۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے مجھے ان لوگوں میں شامل کیا جو

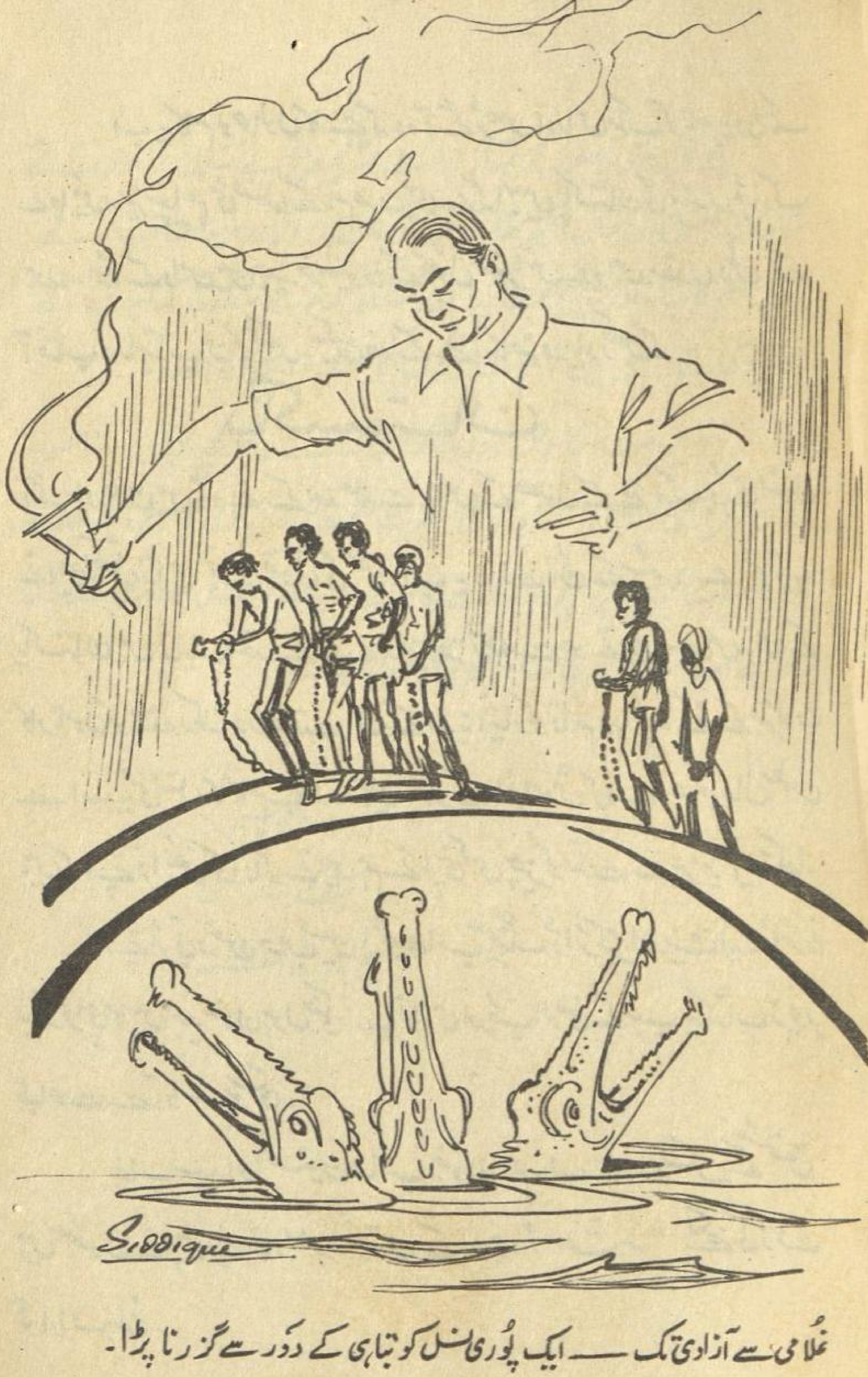
متاعِ ہوش و خرد کائناتِ قلب و جگر
دیارِ شوق میں سب کچھ لُٹا کے بیٹھے ہیں

وہ میری زندگی کے بہترین لمحات تھے جب ۱۹۴۴ء میں مجھے قائدِ اعظم کی تصویر نے متاثر کیا اور پھر

اشک نے شوق کی راہوں میں نکلنا سیکھا
اُن کی اُلفت میں مرے دل نے مچلنا سیکھا

میں کیا اور میری خدمات کیا۔ یہ سب قائدِ اعظم کی محبت کا فیض تھا۔ میرے لئے سب سے بڑا انعام یہی تھا کہ ۱۶ر اپریل ۱۹۴۸ء کو ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں چار برس تک نادیدہ محبت میں تڑپنے کے بعد پہلی بار قائدِ اعظم کی زیارت نصیب ہوئی اور ہمکلامی کا شرف ملا۔ میرا سب سے بڑا سرمایہ، قائدِ اعظم کا عطا کردہ آٹوگراف اور سب سے بڑی دولت پاکستان کی خاک ہے۔

میرا ایمان ہے کہ پاکستان ہمیشہ قائم رہنے کے لئے بنا ہے۔ ہم رہیں یا نہ رہیں انشاءاللہ پاکستان ہمیشہ قائم رہے گا۔



غلامی سے آزادی تک ــــ ایک پوری نسل کو تباہی کے دور سے گزرنا پڑا۔

اب یہ کام نوجوانوں کا ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور اس ملک کو بامِ عروج تک لے جائیں۔ میرا پیغام نئی نسل کے نام صرف یہی ہے کہ انہیں پاکستان کی بہاریں مبارک ہوں۔ ان کے دامن میں ہمیشہ خوشیوں کے پھول مسکرائیں۔ وہ اس مقدس وطن کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکیں۔ لیکن خدا کے لئے اتنا ضرور یاد رکھیں کہ

پاکستان

آگ اور خون میں ڈوبنے کے بعد ملا ہے۔ اس کے حصول کے لئے ایک پوری نسل نے اپنی مکمل تباہی بخوشی قبول کی تھی۔ اب یہ امانت اُن کے سپرد ہے۔ تحریکِ پاکستان میں نمایاں حصہ لینے والے رفتہ رفتہ رخصت ہوتے جارہے ہیں۔ ان کے کارناموں کو زندہ رکھنا درحقیقت اُن کے جذبۂ ایثار کو قائم و دائم رکھنے کے مترادف ہے۔ اب یہ نئی نسل کا کام ہے کہ وہ ہمیں یاد رکھے یا فراموش کردے۔ ہم بہرحال مطمئن ہیں کہ اپنے فرائض کو ادا کرنے میں ہم نے اپنی کسی چیز کو ملت سے عزیز نہیں رکھا۔

اپنے مُربّی و محسن جناب حسین ہاشمی صاحب منیجنگ ڈائریکٹر اورینٹ ایڈورٹائزرز لمیٹڈ کراچی کا میں بیحد ممنون ہوں جنکی ادب نوازی اور حُبّ الوطنی کے سبب یہ کتاب زیورِ طباعت سے آراستہ ہوسکی۔

جناب سید ابوالحسنین صاحب رضوی۔ ایم۔ اے، میرے شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے اپنی بے شمار مصروفیتوں کے باوجود "مقدمہ" لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی۔

مجھے فخر ہے کہ برِصغیر کے ممتاز آرٹسٹ مسٹر صدیقی نے "شعلۂ آزادی" کے لئے شاہکار ٹائیٹل اور خیال انگیز خاکے عطا فرمائے۔ دلاور مرزا صاحب نے قائدِ اعظم کا شاندار اسکیچ عطا کیا اور شگفتہ رقم نے شگفتہ کتابت کے جوہر دکھائے۔ میں اِن تمام فنکاروں کا ممنونِ احسان ہوں۔

آخر میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ اس کتاب میں اگر کچھ ادبی یا شاعرانہ محاسن نظر آئیں تو انہیں استاذِ گرامی حضرتِ عظمت الہ آبادی کا فیض سمجھا جائے۔ جن کے سامنے گذشتہ پچیس (۲۵) برس سے زانوئے ادب تہہ کرنے کی سعادت مجھے حاصل رہی ہے اور اسقام کو میری کوتاہ علمی پر محمول کیا جائے۔

ناچیز

کیف بنارسی

کراچی ۹ مئی ۱۹۶۹ء

صدائے قلب

اپریل ۱۹۴۶ء میں شائع ہوئی۔ بنارس کے اخبار "قائد" کے مدیرِ معاون جناب ابوالعارف صاحب نے مندرجہ ذیل الفاظ میں تعارف نامہ لکھا۔

"سید یاور حسین صاحب کو مسلم لیگ میں شامل ہوئے صرف ایک سال ہوا۔ لیکن اس قلیل مدّت میں آپ نے جس قدر قوم کی نمایاں خدمات انجام دیں انہیں بنارس کا بچّہ بچّہ جانتا ہے۔ حالیہ صوبائی انتخاب کے موقع پر ملازمت سے مستعفی ہو کر آپ نے مسلم لیگ کے لئے خود کو وقف کر دیا۔ موصوف ایسے مقرر ہیں جن کے دل میں بھی وہی جذبات موجزن ہیں جو الفاظ کی صورت میں اُن کی زبان سے ظاہر ہوتے ہیں۔

سید یاور حسین نے یہ تقریر مسلم اسٹوڈینٹس فیڈریشن ضلع غازیپور کی ڈویژنل کانفرنس میں کی تھی۔ اس تقریر میں اجمالی طور پر قرنِ اولیٰ کے مسلمانوں کے جوشِ ایمانی اور عزم وارادہ کی تصویر پیش کی گئی ہے۔ پھر اسلامیانِ ہند کی غفلت اور بے حسی کا تذکرہ ہے۔ آخری حصّہ مسلمانوں کے موجودہ دورِ بیداری کا ہے، جس میں قائدِ اعظم کی قوم پرستی، حُبُ الوطنی، اعلیٰ قیادت اور تنظیم ملّت کا شاہکار نظر آئے گا۔ غرضیکہ یہ تقریر ایک ..... منثور رجز ہے .....! جس سے اگر نو جوانوں کا گرم خون رگوں میں برقی لہر بن جائے گا تو بوڑھوں کے سرد خون میں بھی حرارت پیدا ہوگی۔

خدا موصوف کی قوتِ تقریر و تحریر میں اور بھی اضافہ کرے۔ آمین۔"

۲۱ر اپریل ۱۹۴۶ء

صدائے قلب کا

اِنتسابُ

خیالات پریشاں کے اِس مجموعے کو میں اُن مقررین کے نامِ نامی سے معنون کرتا ہوں جو اگر ایک طرف بزمِ عشرت میں اپنی سحر بیانی سے گلشنِ فردوس کی تصویر کھینچ سکتے ہیں تو دوسری طرف میدانِ کارزار میں بھی شمشیرِ برہنہ لئے ہوئے لہو میں تیرتے ہوئے یہ کہہ رہے ہوں کہ :-

" دلاورو ! بہادر اسلامی شہزادو ! ملت اسلامیہ کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کے لنگر بن جاؤ !

بڑھو اور خون کے اس بحر ذخار میں غوطے لگا کر اُس پار نکل جاؤ !

وہاں، جہاں فتح و ظفر کی دلہن پاکستان کا ہار لئے ہوئے تمہارے قدموں پر جھکنے کو تیار ہے۔

سید یاور حسین

۱۹ر مارچ ۱۹۴۶ء

بسمِ اللہِ الرّحمٰنِ الرّحیم

تقریر
صدائے قلب

جنگِ آزادی کے نوجوانوں کا منشور رجز

صدر عالی قدر و عزیزانِ ملّت!

انسان اگر بالغ نظری سے مشاہدہ کرے تو معلوم ہوگا کہ کائنات کی تمام اشیاء بے چین و بے قرار ہیں۔ رات ہو یا دن، سیارے بے نیازِ سکون ہیں۔ دریا کی منچلی لہریں نہ معلوم کس کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ ہوائیں گلی گلی ٹھوکریں کھاتی ہیں لیکن منزلِ مقصود کا پتہ نہیں۔ بعینہٖ قلبِ انسان کا یہی عالم ہے۔

لیکن غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان اشیاء کا پریشان و مضطرب رہنا ہی نظامِ کائنات کو برقرار رکھنے کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ سیارے اگر ایک لمحہ کے لئے بھی رُک جائیں تو نظامِ شمسی و قمری درہم و برہم ہو جائے اور معلوم نہیں کائنات کا کیا حشر ہو۔ دریا کی روانی رک جائے تو پانی سڑ جائے اور بدبو پیدا ہو، ہوا اگر ایک لمحہ کے لئے بھی

ساکت ہو جائے تو جاندار تڑپ تڑپ کر جان دیدیں۔ اسی طرح اگر قلب کی دھڑکن بند ہو جائے تو طائرِ رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ کائنات کی تمام اشیاء کے آئینہ میں انسانی تنظیم کی تصویریں نظر آرہی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت ایک ایک ذرّے سے انسان کو تعلیم دینا چاہتی ہے۔ یہ فلکِ نیلی فام پر جگمگاتے ہوئے ستارے جو اپنی رفتارِ والہانہ سے فضا کو مدہوش کئے دے رہے ہیں، یہ مہوشانِ فلک، جو ایک دوسرے کا سہارا لئے ہوئے منزلِ لامعلوم کی طرف رواں دواں ہیں، یہ عرشِ بریں پر مہتاب ضو فشاں ہے یا نیلم تختہ پر فطرت کی دیوی، جسے اپنے جھرمٹ میں چاندی کی پریاں خلدِ ارمان کی جانب لے جا رہی ہیں، یہ پہاڑوں کی دلفریب سیڑھیوں پر سے اترتے، بل کھاتے ہوئے ندیوں کے حسین دھارے جو کوثر و تسنیم کی موجوں کو شرما رہے ہیں، اس قدر جاذبِ نظر کیوں ہیں؟

یہی وہ اہم نکتہ ہے جس کو سمجھے بغیر انسان ایک لمحے کے لئے بھی انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔

سُنو! سُنو! کہ سازِ انجم پر کوئی محبت کے گیت گا رہا ہے!!
سمجھو سمجھو کہ موجوں کی سُریلی نغمگی سے کوئی "قطرہ، قطرہ دریا می شود" کے نغماتِ رنگیں لٹا رہا ہے۔

سُن کر تڑپ جاؤ کہ "قوتِ اتحاد" پہاڑوں کو جنبش دے سکتی ہے۔ باوجودیکہ زمین و آسمان، انسان کو ازل سے اتحاد، تنظیم اور محبت کے سبق پڑھا رہے ہیں لیکن انسان ہے کہ بھولتا جا رہا ہے۔

کیا واقعی انسان اسی کو کہتے ہیں جس کے دو آنکھیں، دو کان،

دو، دو ہاتھ پیر اور ایک ناک وغیرہ ہوں۔؟ اگر ایسا ہے تو انسان اور حیوان میں فرق ہی کیا ہوا۔؟ انسان وہ ہے جو رہبرِ انسانیت، علم بردار حریت اور پیغامبر آزادی ہو۔ دُنیا میں رحم وکرم اور عدل وانصاف کے چشمے، مکر ودریا رکھنے والے قلوب کی سرزمین میں بہاکر سب کے دلوں میں محبت کے پھول کھلائے اور دوزخِ ارضی کو رشکِ جنت بنادے۔

لیکن مقام حیرت ہے کہ انسان جب سے وجود میں آیا ہے، کشت و خون کی ندیاں ہمیشہ جاری رہی ہیں۔ لاتعداد انسان مذہب کی قربان گاہ میں بھینٹ چڑھادیے گئے۔ معلوم نہیں کتنی معصوم جانیں صرف اس لئے تہِ تیغ کردی گئیں کہ ان کے والدین نے کسی مذہب کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ بے شمار انسان صرف اس لئے نذرِ آتش کردیے گئے کہ انہوں نے اپنے مذہب وعقائد کو چھوڑنا پسند نہ کیا۔ فضا کو کئی بار صرف اس لئے خون کی ہولی کھیلنی پڑی کہ کسی شخص نے اپنے سر کو کسی شہنشاہ کے سامنے نہ جھکایا تھا۔ زمین کو انسانی خون سے لاکھوں بار صرف اس لئے لالہ زار بنایا گیا کہ کسی بے گناہ کے خون کا بدلہ لینا مقصود تھا۔ المختصر، کائنات کے چپہ چپہ سے انسانی ظلم وجور کے واقعات پٹے ہوئے ہیں۔ ستاروں کی آنکھیں ان ہولناک مناظر کو دیکھتے دیکھتے پتھرا گئیں۔ فضا آج بھی ظلم وستم کی داستانوں پر گریاں ہے۔ ساتھ ہی ساتھ انسانی طبیعت عجیب متضاد واقع ہوئی ہے۔ یہ انسان ہی ہے جو کہیں شہنشاہ ہے تو کہیں فقیر، کہیں عالم ہے تو کہیں جاہل، کہیں رہبرِ انسانیت ہے تو کہیں رہزنِ آدمیت۔ کبھی جذبات کی رَو میں تنکوں کی طرح بہہ جاتا ہے اور کبھی مخالفت کے وحشتناک تھپیڑوں میں استقلال کا پہاڑ بن جاتا ہے۔ کہیں فرعون ہے

توکہیں موسیٰ، کہیں ہوائے بوجہلی ہے توکہیں چراغِ مصطفویؐ۔ اور کہیں یزید توکہیں حسینؓ۔

اس قدر متضاد کیفیتوں کے حامل انسان کو سب سے پہلے رحم وکرم، عدل و انصاف اور لطف و محبّت کی لڑیوں سے منسلک کرنے کا شرف ریگزارِ عرب کے ایک یتیم کو حاصل ہے۔ تعجب ہے قدرت نے اتنا اہم کام ایک ایسے فرد سے لیا جس کی چہل سالہ زندگی ریگ کے تپتے ہوئے میدان میں بادِ سموم کے تُند تھپیڑے کھاتے ہوئے گزری۔ جو ؎

غریبِ قوم بن کر، بن گیا ڈھارس غریبوں کی
رئیسِ قوم ہو کر بھیس بدلا جس نے غربت کا

(نجم)

کیوں نہ یہ شرف کسی ایسے شخص کو بخشا گیا جس کے عالیشان محل کی بلندیوں سے عشرت کی پھواریں پڑ رہی ہوں۔ جس کے در و دیوار پر زرّیں قندیلیں اور کافوری شمعیں روشن ہوں۔

عقل کے پردے پر حیرت و استعجاب کی لہریں اُبھرنے لگتی ہیں۔ ہوش کے مینا و جام ٹکرا جاتے ہیں، ناگاہ فضا میں کوئی گنگناتا ہوا گزر جاتا ہے

؎ عقل نے لاکھ اٹھائی رُخِ فطرت سے نقاب
رازِ کونین بدستور ابھی راز میں ہے

(فرخ بنارسی)

جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی نگاہِ دُور بیں سے انسانی ذہنیت اور طبیعت کا مطالعہ کیا تو اس منزل پر پہونچے کہ انسان کو اتحاد اور تنظیم کے دائرے میں لاکر دوزخِ ارضی کو رشکِ جنّت بنایا جا سکتا ہے۔

اس وقت جبکہ عرب کی سرزمین پر خون کی ہولی کھیلی جارہی تھی۔ جب فضا میں مکر وریا کے شیطان قہقہے لگایا کرتے تھے، جب معمولی معمولی باتوں پر چالیس چالیس سال تک متواتر جنگ ہوا کرتی تھی اور قبیلے کے قبیلے صاف ہوجایا کرتے تھے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے قوی ہاتھ میں ایک خنجر اُٹھایا اور عرب کے درندہ صفت انسانوں کے سینوں میں بھونک دیا۔ وہ خنجر تھا اخلاق ومحبت کا جس کی نرم دَھار لوگوں کے دلوں کی باریک رگوں میں بھی اُتر گئی۔ اتحاد کی ایک رُوح تھی جسے سرورِ کائنات نے عربی باشندوں میں پھونک دی۔ پھر کیا تھا۔ فضائے بسیط میں صرف ایک ہی آواز گونج رہی تھی اور وہ تھی "لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ"۔ ایک آفتابِ اخلاق تھا جس کی لطیف کرنیں ہمالیہ کی بلند چوٹیوں کو پار کرکے برما، جاوا، سماترا، ملایا اور چین تک جا پہونچیں۔ جس کی ضیا پاش ریزشِ انوار نے افریقہ کے تاریک برِاعظم کو منور ودرخشاں کردیا۔ فاران کی چوٹیوں سے ایک چشمہ اُبل رہا تھا۔ جس نے کائنات کے گوشہ گوشہ کو سیراب کردیا۔ عرب کے مٹھی بھر نوجوانوں کا لشکر جس سمت جاتا تھا، منزلیں خودبخود کھنچی آتی تھیں اور فتح وظفر کی دیوی ہر وقت قدموں پر سربسجدہ رہتی تھی۔ یہ صرف قلوب کی ضیا اور ایمان کی جلا تھی جس نے اُن کو ہر جگہ کامیاب کیا اور یہ صرف اتحاد وتنظیم کی قوت تھی جس کی بنا پر مسلمانوں نے صرف ۱۲ سال میں (۳۵۰۰۰ ہزار) قلعے فتح کئے۔

اگر شک ہے تو وہ دیکھئے! بحیرہ روم کی طوفانی لہروں کی سطح پر ایک کشتی ہچکولے کھاتی ہوئی چلی جارہی ہے۔ دَو فٹ اونچی لہر بھی

اس کشتی کو غرقاب کر سکتی ہے۔ لیکن اس کشتی میں بیٹھنے والے ذرا بھی ہراساں نہیں۔ اس لئے اور صرف اس لئے کہ وہ مسلمان ہیں اور مسلمان خدائے قیوم کے سوا کسی اور سے نہیں ڈرتا۔ قضا خود اس سے منہ چھپائے پھرتی ہے۔ ہزاروں برہنہ شمشیریں بھی اس کے بلند سر کو نہیں جھکا سکتیں۔ اگر وہ جھک سکتا ہے تو ذاتِ پروردگارِ عالم کے سامنے، جو نا اُمیدی میں اُمید کا روشن چراغ بن جاتا ہے اور ڈوبتے ہوتے دلوں کو زندگی کا پیغام بخشتا ہے۔

وہ ساحل نظر آیا ــــ! وہ ایک نوجوان بڑھا اور چمکتا ہوا خنجر سرزمینِ اسپین کے سینے میں بھونک دیا۔ تمام سپاہی ساحل کی ریت پر کھڑے ہوگئے اور جانباز طارق نے کڑکتی ہوئی آواز میں کہا ــــ!

دلاورو! بہادرو! بزرگوں کی شجاعت کا افسانہ دہرانے والو! ملّت اسلامیہ کے پرچم کو بلند کرنے کے لئے سَر دھڑ کی بازی لگا دینے والو! اے وہ کہ جن کی نگاہوں میں چمک، بازوؤں میں طاقت اور سینوں میں تڑپ ہے، بڑھو اور اس کشتی کو ابھی نذرِ آتش کر کے موجوں کے سپرد کر دو! میں نہیں چاہتا کہ تمہارے دلوں میں شہادت کے سوا، گھر جانے کا سوال بھی پیدا ہو۔ آج اپنے گھروں کو ہزاروں میل پیچھے چھوڑ کر ہم سرزمینِ اسپین پر اسلامی پرچم لہرانے آئے ہیں۔ قسم ہے ان ڈوبتے ہوتے چاند اور ستاروں کی۔ قسم ہے ساحل سے ٹکراتی ہوئی موجوں کی۔ قسم ہے ان اسلامی شمشیروں اور اپنی اُبھرتی ہوئی جوانیوں کی۔ نوجوانو بڑھو اور قصرِ باطل کی بنیادوں کو متزلزل کر دو اور فضائے اسپین کو نعرۂ تکبیر سے گرما دو ــ!!

پھر کیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں باطل کی دھجیاں فضا میں اُڑ رہی

تھیں۔ حکومتِ اسپین کی فوجوں کے سمندر امنڈ امنڈ کر اسلامی شہزادوں سے ٹکرانے کے لئے آتے اور یوں پلٹ جاتے جیسے ساحل کی چٹانوں سے دریا کا پانی! آخر کار شیروں کے ہاتھ رہا۔ اسلامی شیروں نے اسپین کے چپہ چپہ پر اسلامی پرچم لہرا دیئے۔ مسلمانوں نے یہاں سات سو برس تک حکومت کی۔ اسلام کا یہ مرقع کتنا حسین ہے؟ لیکن آغاز کی دلفریبیوں پر مرنے والے کچھ انجام پر بھی نظر کر! جب تک مسلمانوں میں محبت، اخلاق، خلوص، تنظیم اور اتحاد کام کرتا رہا، مسلمانوں کے نام کا ڈنکا دنیا میں بج رہا تھا۔ ایک دبدبہ ایک ہیبت تھی جس سے سب کانپ رہے تھے۔ مسلمانوں کو دنیا کی کوئی طاقت نہ مٹا سکی، نہ مٹا سکتی ہے نہ مٹا سکے گی۔ لیکن افسوس! ؎

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

جب آپس میں تفریق کے سوالات پیدا ہو گئے۔ جب دامنِ اتحاد اپنے ہاتھوں سے تار تار ہو گیا۔ جب مسلمانوں نے محبت اور تنظیم کی اس مالا کو توڑ دیا جس کو رسول عربی نے اپنے ہاتھوں سے اُن کی گردن میں ڈالا تھا۔ تو وہی ہوا جو ہونا تھا۔ مسلمان ہر جگہ ذلیل و خوار ہوا۔ یوروپ کی تمام طاقتیں متفق ہو کر اسپین کی اسلامی حکومت پر ٹوٹ پڑیں۔ مسلمان چونکہ خانہ جنگیوں سے بہت کمزور ہو چکا تھا اس لئے اُسے پے درپے شکستوں کا سامنا کرنا پڑا۔

غیور مسلمانو! ساغرِ چشم جلتے ہوئے آنسوؤں سے لبریز ہو جاتے ہیں جب یہ کہتا ہوں کہ اسلامی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا گیا۔ عالیشان عمارتوں محلوں، مسجدوں کے سامنے توپیں نصب کر کے بم کے گولوں سے دھواں بنا کر فضا میں اُڑا دیا گیا۔ عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کو جہازوں میں بھر بھر کر سمندر کی تہہ میں ہمیشہ کے لئے پہونچا دیا گیا۔ آج کوئی اسپین کی زمین پر

قدم رکھے تو اس بات کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہوگا کہ یہ وہی مقام ہے جہاں مسلمانوں نے سات سَو برس تک حکمرانی کی تھی۔

آج بھی بحرِ روم کی لہریں ساحلِ اسپین سے سر ٹکرا رہی ہیں اور آج بھی فضائے اسپین خون کے آنسو رو رہی ہے۔ آج بھی اسپین کا ذرّہ ذرّہ ماتم کر رہا ہے کہ مسلمانوں نے صرف آپس کی پھوٹ سے ایسی عظیم الشان سلطنت کو کھو دیا۔

کتنا اندوہگیں ہے یہ انجام اُس افسانے کا جس کا آغاز جانباز طارق اور اُس کے ساتھیوں نے نوکِ نیزہ سے ورقِ اسپین پر لکھا تھا۔ طارق آہ بہادر طارق۔

مسلمانو کیا واقعی طارقِ جانباز کی رُوح چین کی بنسری بجاتی ہوگی؟ ہرگز نہیں! میرا یقین ہے کہ اس فدائے ملّت کی رُوح تڑپتی ہوگی اور وہ خدا سے دُعا کرتا ہوگا کہ ایکبار پھر دُنیا میں آکر سرزمینِ اسپین پر اسلامی پرچم لہرا دے۔

کتنا افسوسناک اور دلشکن ہے یہ انعام جو مسلمانوں نے طارق اور اس کے ساتھیوں کی رُوح کو دیا۔ عزیزانِ ملّت! مانتا ہوں کہ ؎

نگاہیں جس کی جم جاتی ہیں مستقبل کے چہرے پر
اُسے ماضی کے افسانوں کو دوہرانا نہیں آتا

لیکن کیا کروں مجبور ہوں۔ جب دیکھتا ہوں کہ تمہاری رگوں میں خونِ شجاعت سرد ہوا جاتا ہے۔ جب سمجھتا ہوں کہ تمہارے سینوں میں ملّتِ اسلامیہ کے پرچم کو بلند کرنے کا ارمان سسکیاں لے رہا ہے؛ تو تمہاری غیرت اور حمیّت کو بیدار کرنے کے لئے، ہاں، ہاں تمہارے اس خون

کو جوش میں لانے کے لئے جو اسلامی ہونے کے باوجود سرد ہے تمہارے بازوؤں کو جنبش میں لانے کے لئے اس افسانۂ ماضی کو دوہراتا ہوں۔ اس لئے اور صرف اس لئے کہ اسپین کی تصویر سے ملتی ہوئی تصویر مرقعٔ اسلام میں ہندوستان کی بھی ہے۔

جس طرح طارق نے اسپین کو فتح کیا۔ بالکل اسی طرح مٹھی بھر نوجوانوں کے ساتھ محمد بن قاسم نے اسلامی پرچم کو ہندوستان میں بلند گیا۔ جس طرح مسلمانوں نے اسپین میں سات سو برس تک حکومت کی۔ اُسی طرح مسلمانوں نے ہندوستان میں بھی آٹھ سو برس تک حکومت کی ہے۔ کتنی ملتی ہوئی یہ تصویریں ہیں۔ ؟

لیکن چونکہ ان دونوں افسانوں کا آغاز ایک سا ہے اس لئے مجھے ڈر ہے کہ خدانخواستہ انجام بھی ایک سا نہ ہو جائے۔! تو اے میرے نوجوان بھائیو کیا تم چاہتے ہو کہ ملّتِ اسلامیہ کا نام جس طرح اسپین سے مٹ گیا۔ اسی طرح ہندوستان سے بھی خدانخواستہ مٹ جائے؟ یہ ہمارا تاج محل جو ہماری معراج کا آئینہ ہے۔ جس کے ہر نقش میں اسلامی عروج کے مناظر نہاں ہیں۔ یہ ہمارا قطب مینار! جو آج بھی ہمارے شوکت و اقبال کا ترانہ گا رہا ہے۔ یہ اعتماد الدولہ کا مقبرہ اور لاہور کی شاہی مسجد جو اپنے دامن میں ہماری ترقیوں کے جواہر پارے لئے ہوئے ہے۔ یہ جامع مسجد دہلی اور لکھنؤ کے امام باڑے جن کے میناروں سے صدائے تکبیر نکل کر فضا کو چیرتی ہوئی عرش بریں سے ٹکراتی ہے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ سب کا سب خاک بن کر فضا میں منتشر ہو جائے۔؟ اگر نہیں تو یہ بے حسی کیسی؟ یہ غم کی داستانوں کا تمہارے دلوں پر اثر نہ کرنا کیسا؟ مجھے بتاؤ

کہ تمہاری اگلی مروّتوں کو کس نے چھین لیا؟ برادرانِ وطن نے تمہیں کیا پلا دیا کہ آج تم اپنے بھائیوں کے خون کے پیاسے ہو رہے ہو؟ کچھ بھی ہو تم مجھ سے کتنا ہی جُدا ہو جاؤ لیکن میں تمہیں دُور نہیں کر سکتا۔ ہندو دُنیا تمہیں مجھ سے کتنا ہی دُور کر دے۔ لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ خون، خون ہے اور ایک دن ایک ہو کر رہے گا۔

عزیزانِ ملّت آفتاب سے کہئے کہ ستاروں کی انجمن میں جلوہ آرا ہو اور چراغوں کے جھرمٹ میں ریزشِ انوار کرے تو کیا وہ اس کو مان جائیگا۔؟ کیوں نہیں؟

اس لئے کہ اس کا تنہا رہنا ہی ستاروں اور چراغوں کی بقا اور وجود کا سبب ہے وہ الگ رہ کر ہی اپنی ضیا پاشیوں سے اُن کو منوّر کر سکتا ہے۔ اگر آفتابِ عالمتاب پر ظلمت کی گھٹائیں سایہ فگن ہوں تو کرۂ ارض مسکنِ تاریکی بن جائے۔ اگر سورج ستاروں کی انجمن میں پہنچ جائے تو اس کی یکتائی ختم ہو جائے گی اور وہ حیاتِ انجم کے لئے پیامِ موت بن جائے گا۔

اقوامِ عالم میں مسلم قوم مانندِ آفتاب ہے۔ قوم مسلم ہی نے دُنیا کے تمام بسنے والوں کو درسِ حرّیت دپیغام انسانیت اور رازِ حقیقت سے روشناس کرایا۔ عالم امکان کی تمام قومیں مسلم قوم کی مرہونِ منّت ہیں کہ اس کی بدولت وہ آج اپنے کو قوم کہہ سکتی ہیں۔ مسلم قوم کے آفتاب ہی کی ضیا پاشیوں سے دوسری قومیں منّور ہوئیں اور ابھی تک ہیں لیکن جس طرح آفتاب ستاروں کی انجمن میں شامل ہو کر پیامِ موت بن جائیگا اسی طرح مسلم قوم بھی اگر دوسری قوموں میں شامل ہو جائے تو اپنی

یکتائی تو کھو ہی دے گی ساتھ ہی ساتھ اُن کے لئے باعثِ تخریب ثابت ہو گی۔

یہ ایک امر واقعہ ہے۔ کہانی نہیں۔ ایک حقیقت ہے افسانہ نہیں۔ صفحۂ عالم پر مُسلم قوم کی زندۂ جاوید اخلاقی، مذہبی اور معاشرتی تصویریں آج بھی جلوہ آرا ہیں..... لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ جب کائنات کا ذرہ ذرہ اس امر کا شاہد ہے اور اس حقیقت کا آئینہ دار ہے تو ہمارے بزرگ علمائے کانگریس کیوں اس بات پر مُصر ہیں کہ مُسلم قوم نہ صرف اہلِ ہنود سے اشتراکِ عمل کرے بلکہ انہیں میں ضم ہو کر اپنی قومیت کو بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فنا کر دے۔

اس سے پہلے کہ میں اصل موضوع پر روشنی ڈالوں! کسی قسم کے نعرے بلند کروں اور اس سے پیشتر کہ آپ حضرات کو خیالات کی کشتی میں بٹھا کر ساحلِ مراد تک پہونچوں، اتنا ضرور یاد دلاؤں گا کہ جب مسلم حکومت کا چراغ مسلمانوں ہی کی پھونکوں سے بُجھ گیا۔ جب خانہ جنگیوں اور آپس کی پھوٹ کا نتیجہ، ہاتھوں میں ہتھکڑیوں اور پاؤں میں بیڑیوں کی شکل میں نمودار ہوا۔ جب قدرت کا ایک زبردست طمانچہ غلامی کی صورت میں مسلمانوں کے رُخسار پر پڑا تب یہ چونکا اور تاریکی میں روشنی کی تلاش کرنے لگا۔ بالآخر ۱۸۸۵ء میں ایک جماعت کی بنیاد ڈالی گئی۔ جس کا نام "انڈین نیشنل کانگریس" رکھا گیا۔ اور جس کا مقصد ملک کی مشکلات کو حکومت کے سامنے رکھنا تھا۔

شروع شروع ہندو اور مسلمان دونوں نے نہایت جانفشانی سے کام کیا۔ لیکن جب ہندو اکثریت نے اپنی ہندوانہ ذہنیت کا زہر اُگلنا

شروع کیا تو مسلمان بہت پریشان نظر آنے لگا۔

مسلمان چونکہ فطرتاً وفا شعار۔ حق پرست، دلیر اور مصیبتوں سے لڑنے والا ہوتا ہے اس لئے ہندوؤں نے جو بے اعتنائیاں کیں مسلمانوں نے ان کی چنداں پرواہ نہ کی۔ لیکن جب ایک مدت تک اس کی قربانیوں اور جانفشانیوں کا کوئی صلہ نہ ملا تو پیمانۂ صبر یک بہ یک چھلک اٹھا اور مسلمانانِ ہند نے ۱۹۰۶ء میں اپنا ایک الگ پلیٹ فارم بنایا۔ جس کا نام "آل انڈیا مسلم لیگ" رکھا گیا۔ لیکن مسلم لیگ کے قیام کے باوجود مسلمان اپنی رواداری کے خیال سے ایک عرصہ تک کانگریس ہی کے ہم نوا رہے۔

مسلمانوں کی یہ عجیب فطرت ہے کہ جب تک تلخ تجربات نہیں ہوتے اپنی کسی ضد سے باز نہیں آتے۔ چنانچہ قدرت نے ایک زبردست انتقام مسلمانانِ ہند سے ۱۹۲۱ء میں لیا۔ تحریک خلافت کا وقت بھی عجیب تھا۔ مسلمان مسلم لیگ کو بالکل بے جان و مُردہ چھوڑ کر کانگریس سے اس طرح مل گئے تھے جیسے گنگا میں جمنا کا پانی۔ اس وقت ہمارا ایک شیر تھا جس کی گرج سے قصرِ بکنگھم کی بنیادیں ہل جاتی تھیں۔ ایک مقرر تھا جس کی شعلہ بار تقریروں سے امریکہ اور یورپ کی فضا جل اٹھی تھی۔ ایک پُرخلوص دل تھا جس نے ہندوستان کے طول و عرض میں محبت کے چشمے جاری کر دیئے تھے۔ اور وہ تھا محمد علی جوہر۔

مسٹر گاندھی اور محمد علی جوہر نے مل کر خلافت کی تحریک چلائی۔ یہ طے ہو چکا تھا کہ دونوں زندگی کی آخری منزل تک ایک دوسرے کے ساتھ دیں گے۔ لیکن افسوس جب طوفان میل فتحپور سے چھوٹ کر صبا رفتاری کے ساتھ جا رہا تھا اور اب صرف کانپور ہی رُکنے والا تھا تو ڈرائیور نے

یکلخت بریک لگا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پٹریاں اُکھڑ گئیں، ڈبے آپس میں ٹکرا کر چُور چُور ہو گئے اور بے گناہ مسافروں کے گرم خون حمام کے گرم پانی کی طرح بہہ گئے۔

یعنی جب خلافت کی تحریک اپنے عروج پر تھی۔ جب غیور پٹھانوں نے لاہور سے پشاور تک اپنی لاشیں بچھا دی تھیں۔ جب طول و عرض ہند میں لاکھوں مسلمانوں نے اپنی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ جب تختِ حکومت کی چولیں ہل رہی تھیں جب حکومتِ برطانیہ کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنا باقی تھی۔ جب ہمارے حسرت اور محمد علی جیل کی چہار دیواری میں پابہ زنجیر تھے۔ جب مسلمانانِ ہند بے یار و مددگار تھے۔ اس وقت گاندھی جی نے شانتی۔ شانتی کا ایک ایسا منتر پڑھا جس نے ملّتِ اسلامیہ کے قلب کو اُلٹ دیا اور مسلمان آسمان رفعت سے یک دم قعرِ پستی میں گر پڑا اور مسلم قوم کو وہ نقصانِ عظیم اُٹھانا پڑا جس کی تلافی خدا شاہد ہے کہ آج تک نہ ہو سکی۔

یہ تھا فطرت کا وہ زبردست انتقام جو مسلمانانِ ہند سے لیا گیا۔ مسلمان بالکل بے حس و حرکت ہو کر اور عقل و ہوش کھو کر سو گئے۔ محمد علی جوہر نے بہت جھنجھوڑا، لیکن نہ اٹھنا تھا نہ اُٹھے، ۳۰-۳۱ء میں کچھ ہوش آیا لیکن محمد علی جوہر کی وفات نے بالکل ہی نیم جان کر دیا۔ یہ وقت ایسا تھا جب مسلمان انتہائی پریشان کے عالم میں کانگریس کے سہارے چل رہے تھے۔ سب سے بڑی تشویش یہ تھی کہ کوئی راستہ دکھانے والا نہ تھا۔ آخر وہ دن بھی آیا جب ۳۵ء میں نیا قانون ہندوستان میں نافذ ہونے کے لئے آیا۔ قانون کیا تھا ایک ایسا شکنجہ تھا جس کے

ذریعہ اہلِ ہند کی گردنوں کو مضبوطی سے جکڑنا مقصود تھا۔

قربان جائیے نظامِ قدرت کے! ایسے وقت میں جب اسلامیانِ ہند کو ایک رہبر کی تلاش تھی۔ جب دُکھ کی ندیاں سُکھ کے سمندر سے ملنا چاہتی تھیں لیکن قسمت کے پہاڑ نے اس کے رُخ کو حائل ہو کر غربت و گمنامی کے ریگستان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بدلنا چاہا۔ جب مسجدوں کو پسینہ آرہا تھا اور تسبیح سے شعلے اُٹھ رہے تھے۔ جب تقدس کی دھجیاں فضا میں اُڑ رہی تھیں، ایک مغرب زدہ اُٹھا اور ہندوستان کے لئے، انگلستان سے عازمِ سفر ہوا۔ وہ ذاتِ گرامی تھی مسلمانوں کے محبوب قائدِ اعظم مسٹر محمد علی جناح کی۔ یہی محمد علی جناح جن پر آج طرح طرح کے الزامات لگائے جا رہے ہیں۔ آج جبکہ سلطانِ سیاست قائدِ اعظم نے کانگریس کی تمام شاطرانہ چالوں کو طشت از بام کر دیا ہے۔ آج جب کہ ہندوانہ ذہنیت اور مہاتمائیت کے پجاریوں کی قائدِ اعظم نے قلعی کھول دی ہے۔ آج جب کہ مسلم لیگ کو قائدِ اعظم کی ہوشمندی اور مدبرانہ قابلیت نے اس منزل پر پہونچا دیا کہ دُنیا نے لوہا مان لیا، تو کانگریس مقابلہ کرنے کے بجائے قائدِ اعظم پر گالیوں اور اعتراضات کی بوچھاڑ کر رہی ہے۔ لیکن معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ وہی محمد علی جناح ہیں جو کانگریس کی روحِ رواں رہ چکے ہیں۔ جن کے متعلق مسز سروجنی نائیڈو نے کتاب "میرا جناح" تصنیف کی۔ گوکھلے نے کہا "جناح ہندو مسلم اتحاد کے لئے خدا کا بھیجا ہوا سفیر ہے"۔ اخبار دکن ٹائمز نے لکھا "مسلمانوں کو فخر کرنا چاہیئے کہ ان کو جناح ایسا لیڈر ملا"۔ بیورلی نکلس نے لکھا "ایشیا کی اہم ترین شخصیت مسٹر جناح ہیں"۔ اور یہ وہی محمد علی جناح ہیں کہ

جب لارڈ ولنگڈن، بمبئی کے گورنر کی خدمت میں الوداعی سپاسنامہ پیش کرنے کے لئے چند جی حضوریوں نے کوشش کی تو اسی جناح نے ظالم گورنر کے خلاف بھرے مجمع میں ایک محاذ قائم کر دیا اور گورنر کی چیرہ دستیوں کے پرچے اڑا دیئے۔ سرزمین ہند میں عہدِ غلامی کے باوجود پہلی بار عوامی آواز نے گورنمنٹ کے ایجنٹوں کو شکستِ فاش دی۔ اور اس تاریخی واقعہ کی یاد میں بمبئی کے باشندوں نے "جناح پبلک ہال" تعمیر کرایا۔ جو آج بھی قائدِ اعظم کی وطن پرستی کے ترانے گا رہا ہے۔ کیا یہ وقت کا المیہ نہیں کہ آج اسی ہال میں بیٹھ کر متعصب اور دشمنِ وطن کانگریسی جناح کے خلاف ریزولیشن پاس کرتے ہیں۔

یہی نہیں بلکہ یہ وہی محمد علی جناح ہیں جنہوں نے گول میز کانفرنس میں انگریزوں پر اس سختی سے نکتہ چینی کی کہ ان پر "بہت سخت آدمی" ہونے کا الزام لگایا گیا۔

آج کانگریس قائدِ اعظم کے کارناموں کو چھپانا چاہتی ہے۔ لیکن کہیں چاند پر بھی آج تک کوئی خاک ڈال سکا ہے؟ ۳۵ء میں جب پنڈت نہرو نے اعلان کر دیا تھا کہ ہندوستان میں صرف دو طاقتیں ہیں۔ برطانیہ اور کانگریس! تو مالا بار ہل سے ایک آواز آئی کہ مسلم لیگ تیسری طاقت ہے۔ یہ آواز مسٹر جناح کی تھی۔ قائدِ اعظم کی یہ آواز ایسی ثابت ہوئی جیسے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ جب ہندو ذہنیت کے امڈتے ہوئے سیلاب میں مسلمانوں کی قسمت کی کشتی غرق کی جا رہی تھی، اس وقت قائدِ اعظم اس کشتی کے لنگر بن گئے۔ بحرِ مخالف کی تند موجوں سے لڑتے ہوئے آخر قائدِ اعظم ساحلِ مراد تک پہونچ گئے۔



آزادی سے قبل مسلمان ــــ انگریز اور ہندوؤں کے دوہرے مظالم کا شکار تھے۔

قائدِ اعظم نے ہندوستان بھر کا دورہ کیا۔ غیروں سے زیادہ اپنوں نے مخالفت کی۔ نت نئے الزامات تراشے گئے لیکن ایک مردِ مجاہد جب کسی کام کا بیڑہ اُٹھا لیتا ہے تو اس کو انجام دے کر ہی دَم لیتا ہے۔ قائدِ اعظم کے جذبات کے اُمنڈتے ہوئے سیلاب کو گالیوں اور اعتراضات کی کچی دیواریں نہ روک سکیں۔ انتخاب ہوئے کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے حصہ لیا۔ مسلم لیگ کو خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ کانگریس نے انتخابات سے قبل وعدہ کیا تھا کہ وزارت میں مسلم لیگ کے نمائندے بھی شامل کئے جائینگے، لیکن کانگریس نے کامیاب ہو کر اپنے وعدے کو ٹھکرا دیا۔ اور مسلم لیگی نمائندوں کو شریک کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس طرح خالص ہندوانہ ذہنیت کے عہدِ وزارت میں مسلمانانِ ہند پر ایسے مظالم توڑے گئے کہ آسمان اور زمین تک لرز اُٹھے۔ ڈھائی سالہ عہدِ وزارت کیا تھا گویا ایک زلزلہ تھا جس نے مسلمانوں کے ارمانوں کے تمام محلوں کو کھنڈر کا نمونہ بنا دیا۔ ایک سیلاب تھا جس میں آرزوؤں کی دنیا خس وخاشاک کی طرح بہہ گئی۔ ایک آندھی تھی جو شمعِ تمنا کو گل کرتی ہوئی چلی گئی۔

کہیں اُردو زبان کو تباہ و برباد کرنے کی منظم سازش کی گئی۔ کہیں معصوم بچوں سے گاندھی جی کی تصویر کی پوجا کرائی گئی۔ کہیں انسانیت سوز مظالم ڈھائے گئے۔ کہیں عدل وانصاف کا جنازہ نکالا گیا۔ کہیں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔ المختصر عورتوں، بچوں، اور ضعیفوں کی چیخ و پکار سے زمین و آسمان ہل گئے۔ لیکن وزارت کے یہ دیوتا قہقہے پر قہقہے لگاتے رہے۔

ہمارا ضعیف قائد بہت پریشان تھا۔ آج اگر سی۔ پی کا مسلمان کہہ رہا ہے

"قائدِ اعظم المدد" تو کل بہار کا مسلمان چیخ رہا ہے کہ "ہماری مدد کرو" پرسوں یو۔ پی کا مسلمان پکار رہا ہے کہ قائدِ اعظم ہمارا خیال کرو۔

الغرض ایک قائدِ اعظم اور ہزاروں پریشانیاں، بیچارے قائدِ اعظم کرتے بھی تو کیا کرتے۔

خیر خدا خدا کر کے وہ دن بھی آیا کہ کانگریس کی وزارت لقمۂ اجل ہو گئی اور مسلمانانِ ہند نے "یومِ نجات" منا کر پروردگارِ عالم کا شکر ادا کیا۔

وہ قائدِ اعظم جن کی زندگی ہندو مسلم اتحاد کی کوشش میں گزر گئی۔ اب مجبور ہوتے کہ اپنی پالیسی بدل دیں۔ انہوں نے اچھی طرح محسوس کر لیا کہ مہا تمائیت ہندوستان میں رام راج قائم کرنا چاہتی ہے۔ جس میں مسلمان ایک لمحہ بھی سانس نہیں لے سکتے۔ چنانچہ مسلم لیگ کے سیشن ۱۹۴۰ء لاہور میں ایک تجویز منظور کی گئی کہ جن صوبوں میں مسلم اکثریت ہے وہاں اپنی قسمتوں کا فیصلہ کرنے کا حق مسلمانوں کو حاصل ہو۔ اور جن صوبوں میں ہندو اکثریت ہو وہاں اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کا حق ہندوؤں کو ہو۔ جو حقوق ہندو اکثریت والے صوبے اپنی اقلیتوں کو دیں گے وہی حقوق مسلم اکثریت والے صوبے بھی اقلیتوں کو دیں گے۔ بعد ازاں اس کا نام پاکستان قرار پایا۔ یہ وہی پاکستان ہے جو ہماری رگوں میں لہو بن کر دوڑ رہا ہے اور جس کے بغیر اب ہم ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔

ہندو دنیا میں اس نعرہ سے صفِ ماتم بچھ گئی اس لئے کہ اُن کا "رام راج" والا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا۔ اعتراضات کی دیواریں کھڑی کر دی گئیں۔ بہت جھلاتے لیکن قائدِ اعظم نے اس تجویز کے ایک

نقطہ کو بھی نہیں بدلا۔

جب کانگریس شکست کھا گئی تو اس نے بھی نقالوں کی طرح ۸ اگست ۱۹۴۲ء کو "ہندوستان چھوڑ دو" کا نعرہ بلند کیا۔ اور ۹ اگست ۱۹۴۲ء سے توڑ پھوڑ شروع کر دی۔ کانگریس جس قدر جھلاتی تھی فریب کا نقاب اس کے چہرے سے سرکتا جاتا تھا۔ جس کی روشن مثال یہ ہے کہ "ہندوستان چھوڑ دو" کہا گیا تھا۔ انگریزوں سے لیکن جتنے پولیس آفیسر مارے گئے سب مسلمان تھے۔ کانگریس کے سورماؤں نے نہ تو کسی انگریز کے بنگلے میں آگ لگائی اور نہ کسی انگریز کا بال بھی بیکا ہوا۔

میں نفرت و حقارت کی آگ پھیلانا نہیں چاہتا لیکن یہ واقعات دامنِ حقیقت میں پوشیدہ ہیں اور میں انہیں طشت از بام کر کے رہوں گا، چاہے مجھے اپنی جان بھی کھونا پڑے۔ اس لئے کہ میرے دل پر غم کا آرا چل چکا ہے۔ میرے والد محترم ایک ہیڈ کانسٹیبل ہیں۔ جب ایک مسلمان کی دوکان بلوے میں لٹ رہی تھی، اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اس کی مدد کو پہونچے تو کانگریس کے دیوتاؤں نے اُن پر خشت باری کر کے سخت زخمی کر دیا اور اگر ایک دوسرا مسلمان سپاہی اُن کو نہ بچاتا تو معلوم نہیں کیا ہو جاتا۔

مجھے فخر ہے کہ میری رگوں میں اسلامی خون موجیں مار رہا ہے۔ مانا کہ میں مصطفےٰ کمال کی طرح جانباز و دلیر نہیں۔ مانا کہ میں رضا شاہ پہلوی کی طرح دُور اندیش نہیں۔ نہ ہی اگر میں محمد علی جوہر ایسا مقرر نہیں۔ لیکن چونکہ امنگوں سے بھرا ہوا قلب رکھتا ہوں، سینہ میں جذبات کے سمندر پوشیدہ ہیں۔ دل ہی دل میں قائدِ اعظم کی محبت سُلگ رہی ہے۔ اس لئے وقت پڑنے پر در و دیوار سے بغاوت کے شعلے بلند کرنے کا ارمان رکھتا ہوں۔ اور میرا خیال اب

یقین کی منزل تک پہونچ گیا ہے کہ حصولِ پاکستان کے لئے جب شمشیر و نیزہ کی جھنکاروں سے فضا گونج اُٹھے گی، جب خون کے سمندر موجیں مارتے ہوئے بڑھ رہے ہوں گے، تو مسلمانوں کا ہر جوان طارق جانباز، ہر ادھیڑ مصطفےٰ کمال اور ہر بوڑھا محمد علی جوہر اور رضا شاہ پہلوی بن جائے گا۔

مجھے کوئی بتائے کہ آج جبکہ مسلم لیگ کو ووٹ دینے ضعیف و بیمار مسلمان جوق در جوق جا رہے ہیں آج جب کہ ہماری مائیں اور بہنیں ہم کو وردیوں سے سجا کر نیشنل گارڈ بننے میں مدد کر رہی ہیں۔ آج جبکہ برقع پوش خواتین مسلم لیگ کے نمائندے کو کامیاب بنانے کے لئے شب و روز کوشش کر رہی ہیں آج جبکہ ہمارے والدین نے مسلم مفاد کے لئے ہمکو وقف کر دیا ہے۔ آج جبکہ ہمارے ننھے ننھے بچے اپنی توتلی زبانوں سے کہہ رہے ہیں کہ

"پاکستان لے کے رہیں گے"

تو کیا فطرت وجد میں نہ آگئی ہوگی۔ کیا رحمت الٰہی جوش میں آکر یہ نہ کہہ رہی ہوگی کہ اے خالقِ حقیقی ان معصوم دلوں کی پکار سُن لے۔ ان خلق کے راندے ہوؤں کی صدا سُن لے اور انہیں پاکستان دے دے؟

میں سچ کہتا ہوں کہ شبنم کی بھیگی ہوئی راتوں میں جب ستارے انوارِ حقیقت برساتے ہیں، تو اکثر صدا آتی ہے کہ میں تو تجھے ایک پاکستان کیا، ساری دُنیا دینے کو تیار ہوں لیکن تو متحد تو ہو جا!

عزیزانِ ملّت!

اس لئے خدا کے واسطے آپ متحد و متفق ہو جایئے اور اتحاد کے دامن کو اتنا وسیع کیجئے کہ ہندوستان کے تمام مسلمان اس میں آجائیں۔

آپ قائدِ اعظم پر کامل اعتماد رکھئے۔ ہمارا قائد، جس راستے سے

ہم کو لے جا رہا ہے۔ وہ نہایت ہی صاف اور آسان ہے۔ قائدِ اعظم نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ جب تک میرا دماغ کام کر رہا ہے میں اپنے مسلمان بھائیوں سے مدد نہیں لوں گا۔ چنانچہ آپ خود جانتے ہیں کہ قائدِ اعظم نے مسلمان قوم کا ایک قطرہ خون بہائے بغیر کہاں سے کہاں پہونچا دیا ہے۔

غور تو کیجئے۔ آج ہمارا ضعیف قائدِ اعظم جو عمر کی ستر منزلیں طے کر چکا ہے۔ جس کی بھویں تک سفید ہو چکی ہیں۔ کیوں دربدر مارا مارا پھر رہا ہے۔ آج وہ شب و روز میں اٹھارہ گھنٹے کثرتِ مشاغل میں صرف کر رہا ہے۔ آخر کوئی تو لَو اس کے دل کو لگی ہے۔ آپ خود جانتے ہیں وہ ایک رئیس اور صاحبِ حیثیت شخصیت کا مالک ہے۔ آرام سے زندگی لبر کر سکتا ہے۔ لیکن کیا بات ہے کہ ہر طرح کے آرام چھوڑ کر وہ آپ کے لئے بے چین ہے۔

مجھے قائدِ اعظم کی تحریروں میں ان کی تھرتھراتی ہوئی انگلیاں نظر آتی ہیں۔ تقریروں میں ان کا دھڑکتا ہوا دل نظر آتا ہے۔ میں نے آج تک قائدِ اعظم کو نہیں دیکھا مشتاقِ دید ضرور ہوں۔ ایک مدت تک میں یہ سوچتا ہی رہا کہ آخر وہ کون سی طاقت ہے جو مجھے قائدِ اعظم کی طرف کھینچے لئے جا رہی ہے۔ بالآخر میں اس منزل پر پہونچا کہ کانگریس کے عہدِ وزارت میں جب کسی بیوہ کے گرم گرم آنسو زمین کی چھاتی کو جلا رہے تھے اور کسی یتیم کے دل کی آہ جب فضا کو چیرتی ہوئی عرشِ معلیٰ سے ٹکرائی تھی تو شاید قدرت نے خلوص کا ایک موتی قائدِ اعظم کے دل میں اُتارا تھا، جو آج اپنا اثر دکھا رہا ہے۔

آج پاکستان پر طرح طرح کے الزامات عائد کئے جا رہے ہیں۔ لیکن ہم اپنی منزل کی طرف اتنی سُرعت سے جا رہے ہیں کہ ہم کو اتنی بھی فرصت

نہیں کہ ہم اعتراضات کا جواب دیں۔ جس کی سمجھ میں پاکستان آگیا تو خوب ورنہ اب شمشیر و نیزہ کی جھنکاریں فضا میں بلند ہو کر پاکستان کے معنی بتلائیں گی۔ اب ہم ورقِ چرخ پر شہیدوں کے خون سے پاکستان لکھ کر سمجھانا چاہتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ پاکستان انگریزوں کا لایا ہوا ہے۔ مجھے کوئی بتلائے کہ اگر پاکستان انگریزوں کا لایا ہوا ہے تو آج قصرِ بکنگھم کی دیواریں لرزہ براندام کیوں ہیں؟ آج تختِ حکومت کی چولیں کیوں ہل جا رہی ہیں۔ انگریز پاکستان کیوں نہیں مان لیتا؟

سچ تو یہ ہے کہ پاکستان اگر ایک طرف رام راج کا خواب دیکھنے والوں کے لئے پیغامِ قضا ہے تو دوسری جانب انگریزوں کے لئے موت کا آخری پیغام ہے۔

پاکستان کا مقصد مسلمان اور دوسری تمام اقلیتوں کی مکمل آزادی ہے۔

اے اس کانفرنس میں دولھا بن کر حفاظت کرنے والے نیشنل گارڈ کے جانباز سپاہیو! میری اس نصیحت کو کبھی فراموش نہ کرنا کہ حکومت کا سپاہی بننا بہت آسان ہے۔ لیکن قوم کا سپاہی بننا بہت دشوار ہے۔ حکومت کے سپاہی بن کر تم رکشہ والے، یکہ والے کو پیٹ سکتے ہو۔ لیکن قوم کا سپاہی بن کر خود ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں۔ گالیاں سُنی جاتی ہیں لیکن زبان سے اُف نہیں کیا جاتا۔ اے پرچم اسلامیہ کے سربلند کرنے والے دلاورو! اس ہلالی پرچم کو اتنا بلند کرو کہ کہکشاں اور ثریا بھی جُھک کر چومنے لگیں۔

عزت و حرمت پر کٹ مرنے والے نوجوانو تمہارے سینوں

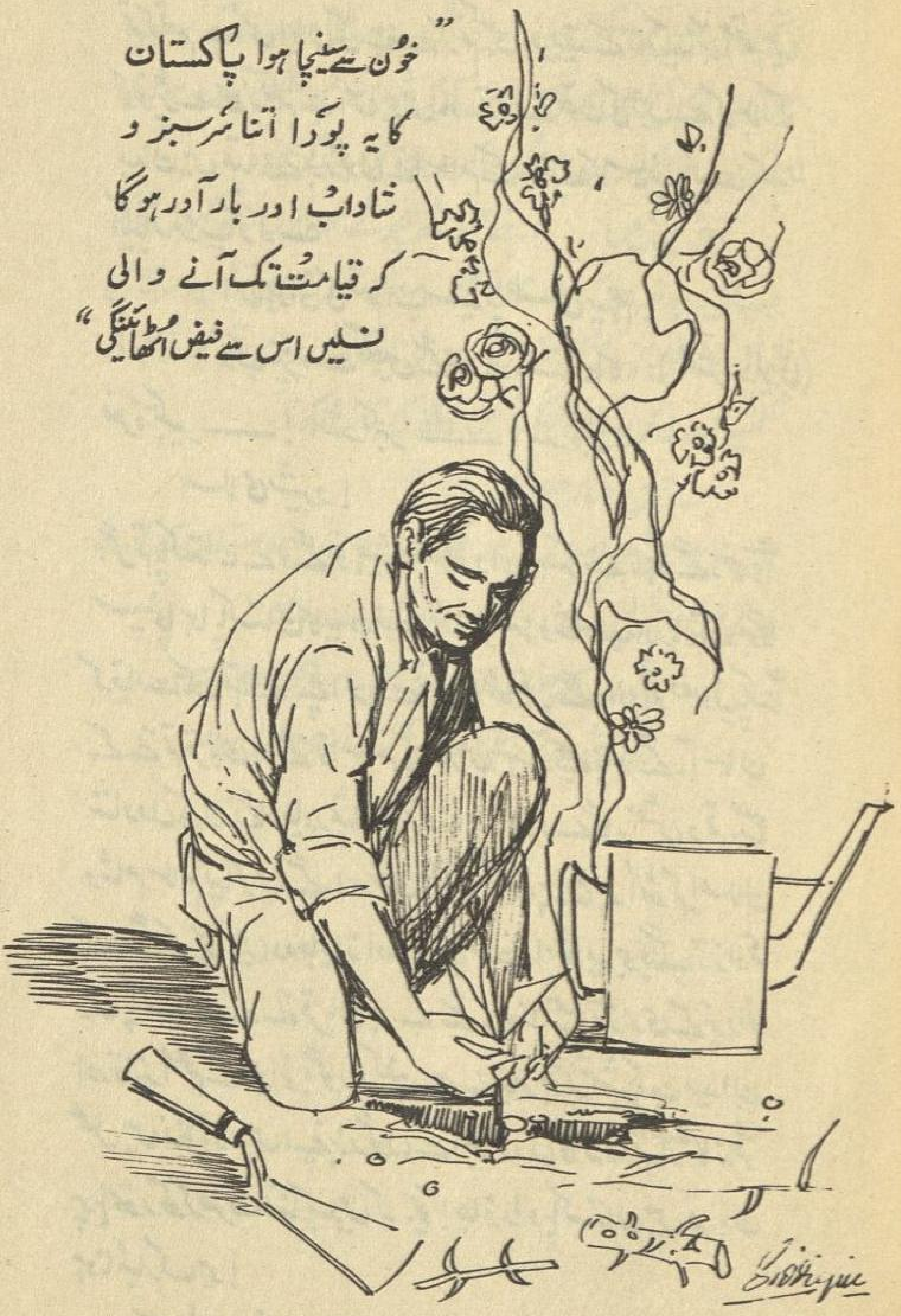
میں شجاعت کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ بڑھو اور خرمنِ باطل پر بجلی بن کر ٹوٹ پڑو۔ تمہاری آواز میں وہ کڑک موجود ہے جو آن کی آن میں قصرِ باطل کی دیواروں کو منہدم کر سکتی ہے۔ بڑھو۔! سطوتِ شاہنشہی پیروں سے کچلتے ہوئے چلو! محلوں اور ایوانوں کو روندتے ہوئے چلو! بہادو۔ بہادو خون کا وہ اُمنڈتا ہوا سمندر جو کانگریس کے غرور و ناز کی چٹانوں کو خس و خاشاک کی طرح بہالے جائے اور رنگ سے ہولی کھیلنے والے کو معلوم ہو جائے کہ خون سے ہولی کھیلنے والے کو خانہ جنگی کی دھمکی دینے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

جانبازو!

ذرا بھی ہراساں نہ ہونا۔ خدا تمہارے سر پر موجود ہے۔ یقین کرو تمہارے انہی بازوؤں میں وہ طاقت چھپی ہوئی ہے جس نے ایک روز درِ خیبر اُٹھا لیا تھا۔ تمہاری شمشیروں میں اب بھی وہ چمک پنہاں ہے جو کبھی خیبر، خندق۔ اُحد اور پھر کربلا میں ضوفشاں ہوئی تھی، جس کے پَرتو سے اسلام میں وہ ضو پیدا ہوئی کہ سارا عالم منور ہو گیا۔

گواہ ہیں ماہ و انجم کہ تمہیں تھے جو کبھی اسپین پر طارق بن کر آئے۔ تمہیں تھے جو کبھی محمد قاسم بن گئے۔ ہاں۔ ہاں پوچھ لو ان پریشان و مضطرب ہواؤں سے۔ کیا تمہیں نہیں تھے جو دکن میں سلطان ٹیپو کی شمشیر آبدار بن گئے تھے۔ آج بھی دکن کا چپہ چپہ تمہاری بے مثال شجاعت کا افسانہ خواں ہے۔

آج پھر دُنیا تمہاری شجاعت کو دیکھنا چاہتی ہے۔ فطرت کو تمہاری حریت کا امتحان مقصود ہے۔ لہٰذا اے ملتِ اسلامیہ کے جانباز سپاہیو!


"خون سے سینچا ہوا پاکستان
کا یہ پودا اتنا سرسبز و
شاداب اور بارآور ہوگا
کہ قیامت تک آنے والی
نسلیں اس سے فیض اٹھائینگی"

تم کو قسم ہے اُس ایمان کی جسے لے کر تم کبھی افریقہ کے تاریک برّ اعظم میں کود پڑے تھے۔ قسم ہے اُس جوش مارتے ہوئے خون کی جس سے کربلا کے میدان میں تمہارے بزرگوں نے اسلام کے درخت کو سینچا۔ کہدو اکہدو ایکبار تڑپ کر کہ ؎

اس جوانی کی قسم اب سینۂ باطل پہ ہم
نوکِ نیزہ سے لکھیں گے لفظ پاکستان کا (محشر بدایونی)

نعرۂ تکبیر ——! اللہ اکبر —— اللہ اکبر۔

اسلامی شیرو!

اگر تم پاکستان لے لوگے تو ہمیشہ سُرخرو اور سَر بلند رہو گے۔ خون سے سینچا ہوا پاکستان کا یہ درخت اتنا سرسبز و شاداب اور بار آور ہوگا کہ قیامت تک تمہارے بچے اس سے فیض اٹھائیں گے۔ اور اگر حصولِ پاکستان کے لئے تم قربان ہو گئے تو اسلام کی نظر میں شہید سمجھے جاؤ گے۔ آسمان ستاروں کی زرنگار چادر تمہاری قبروں پر تان دے گا۔ شمس و قمر صبح و شام سلام کیا کریں گے۔ اور خوں رنگ شفق چرخ پر اُٹھ کر اعلان کرے گی کہ یہی ہیں وہ جانباز اور دلیرانِ ملّتِ اسلامیہ جو جنگِ آزادی میں پاکستان کے لئے قربان ہوتے تھے۔ لہٰذا شمع آزادی کے پروانو اور قائدِ اعظم کے دیوانو! اگو رد کفن سے بے نیاز ہو کر شمشیر بکف میدانِ عمل میں نظر آؤ۔ میں اپنے بزرگوں سے التجا کروں گا کہ وہ تمہارے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر صرف اتنا کہہ دیں کہ بچو! جاؤ راہ پاکستان میں قربان ہونا مُبارک ہو!

ابھی ایسی مائیں اور بہنیں موجود ہیں جو محمد بن قاسم ایسے

بچوں کی مائیں بن سکتی ہیں۔ میری اُن سے درخواست ہے کہ جب جوانانِ قوم اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں نکلیں تو وہ ہماری ہمت بڑھائیں۔ اور جوش دلا کر غیرت کو بیدار کریں۔

آخر میں، میں اپنے چھوٹے چھوٹے بھائیوں سے کہوں گا کہ جب تمہیں یہ خبر ملے کہ ہماری لاشیں میدانِ کارزار میں تڑپ رہی ہیں تو اُن کو دفن کرنے کی فکر میں مت پڑنا بلکہ اُس وقت تم چھوٹی چھوٹی شمشیریں لے کر میدانِ جنگ میں نکلنے کی تیاری کرنا۔

اے تیز رفتار صبا سن!

اب نوجوانانِ اسلام تیار ہو چکے ہیں۔ جا اور ہندوستان کے کونے کونے میں کانگریس کے دیوتاؤں سے کہدے ؎

ملّت کے جاں باز جواں کا اب یہ قومی نعرہ ہے
دُور ہٹو اے دُنیا والو پاکستان ہمارا ہے

-تمت-

نظمیں

شعلۂ آزادی

چشمِ روشن پاکستان	دل کی دھڑکن پاکستان

صحرا صحرا اِس کی دھوم	گلشن گلشن پاکستان

اپنی ہستی کا حاصل	اپنا مامن پاکستان

لے کے رہیں گے پاکستان
بٹ کے رہے گا ہندوستان

منزل کو سر کرنا ہے — مشکل سے کیا ڈرنا ہے

آزادی کے شعلہ کو — دل میں روشن کرنا ہے

پاکستان کی اُلفت میں — اپنا جینا، مرنا ہے

لے کے رہیں گے پاکستان

بَٹ کے رہے گا ہندوستان

کس نے شب خوں مارا ہے؟ — شیروں کو للکارا ہے

بچّہ بچّہ مومن کا ! — شعلہ ہے انگارہ ہے

قوم کی خاطر مر جائیں — بس یہ قومی نعرہ ہے

لے کے رہیں گے پاکستان
بَٹ کے رہے گا ہندوستان

ہند کے سارے صوبوں میں اِسلامی لشکر تیّار

کثرت ہے دشمن کی فوج وحدت ہے اپنی تلوار

نام خُدا کا لیتے ہیں! ہو جائے گا بیڑہ پار

لے کے رہیں گے پاکستان

بَٹ کے رہیگا ہندوستان

سنہ ۱۹۴۵ء

جشنِ آزادی

چمن چمن ہے بہارِ عجیب فام لئے
روش روش ہے تنوع کا صد نظام لئے
نظر نظر ہے پیامِ نویدِ عام لئے
نفس نفس ہے سرورِ طرب کا جام لئے
یہ کس کی رُوح ہواؤں میں گنگناتی ہے
فضا ترنّمِ رنگیں میں کھوئی جاتی ہے

یہ بے خودیٔ تمنّا یہ آرزو کا خُمار!
کہ اب نہیں غمِ ایّام و فکرِ لیل و نہار!
ہوئی وفورِ طرب سے فضا مسّرت بار!
لگی ہے برقِ تجلّی کی بام و دَر پہ قطار!
حدِ حصول میں آزادیٔ وطن آئی
بہارِ نو پئے آرائشِ چمن آئی

مئے نشاط سے پُر جام اپنے ہاتھ میں ہے
مجازِ لغزشِ ہر گام اپنے ہاتھ میں ہے

شگفتگیٔ لب و کام اپنے ہاتھ میں ہے
خوشا کہ گردشِ ایام اپنے ہاتھ میں ہے
جمالِ زار نظارے سلام کرتے ہیں
نظر کو چاند ستارے سلام کرتے ہیں

اُٹھو کہ رشتۂ اُلفت کو استوار کریں
خلوصِ دل کو سزاوارِ اعتبار کریں
رہِ روابطِ مابین اختیار کریں
دلوں کو ذوقِ محبت سے ہمکنار کریں
دکھا دیں اہلِ زمانہ کو راہِ آزادی
مٹا دیں صفحۂ ہستی سے نقشِ فریادی

۱۹۴۷ء
"تیج" دہلی

بلوچ[1] رجمنٹ کے نام

طُلوعِ صُبحِ وطن، صُبح تھی قیامت کی
تمام چھاتی ہوئی سی تھی شورشِ آفت کی
چہار سمت سیاہی تھی بغض و نفرت کی
جلائی ایسے میں بس تو نے شمع اُلفت کی
مرے وطن کے سپاہی سلام ہو تجھ پر

لگی تھی آگ وطن کی حسیں بہاروں میں
دھواں دھواں نظر آتا تھا چاند تاروں میں
ہجوم غم کے سِوا کچھ نہ تھا نظاروں میں
ترے علاوہ نہ تھا کوئی غم گساروں میں
میرے وطن کے سپاہی سلام ہو تجھ پر

---

[1] پاکستانی فوج کی مشہور رجمنٹ جس نے ۱۹۴۷ء کے فسادات کے دَوران مہاجروں کے ہزاروں قافلوں کو ہندوستان سے پاکستان بخیر و عافیت پہونچایا۔

وطن کو چھوڑ کے غربت کے واسطے آئے
فراق و لذّتِ فرقت کے واسطے آئے
اَدائے سنّتِ ہجرت کے واسطے آئے
مہاجر آئے تو ملّت کے واسطے آئے
مرے وطن کے سپاہی سلام ہو تجھ پر

جہاں میں اپنی شجاعت کا نام کر کے رہا
جو کام تجھ کو مِلا تھا وہ کام کر کے رہا
دلِ شکستہ میں حاصل مقام کر کے رہا
وَفا کو لائقِ شکر و سلام کر کے رہا
مرے وطن کے سپاہی سلام ہو تجھ پر

۴۷ء

وطن کی فوج کو سلام

چمن کا رنگ و بُو ہو تم
دلوں کی آرزو ہو تم
وطن کی آبرُو ہو تم
دِلاورانِ نیک نام سُبک طراز و تیز گام
وطن کی فوج کو سلام

ادا میں بانکپن رہے
وقار کا چلن رہے
وطن رہے وطن رہے
دِلاورانِ نیک نام سُبک طراز و تیز گام
وطن کی فوج کو سلام

ہے راہ پُر ز پیچ و خم
مگر نہیں کسی کو غم
بڑھائے جاتے ہیں قدم
دِلاورانِ نیک نام سبک طراز و تیز گام
وطن کی فوج کو سلام

عزائم جواں لئے
یقینِ کامراں لئے
نظر میں بجلیاں لئے
دِلاورانِ نیک نام سُبک طراز و تیز گام
وطن کی فوج کو سلام

حیات کا نشان ہیں
دلیر نوجوان ہیں
وطن کی آن بان ہیں
دِلاورانِ نیک نام سُبک طراز و تیز گام
وطن کی فوج کو سلام

دلاورو! مجاہدو
بلند کر کے عزم کو
حریف کو شکست دو
دلاورانِ نیک نام سُبک طراز و تیز گام
وطن کی فوج کو سلام

سنہ ۴۸ء

آؤ کہ بڑھ کے وادیٔ کشمیر چھین لیں

دامِ طرب سے قوم ابھی تک رہا نہیں
خوابِ گراں سے کوئی ابھی تک اُٹھا نہیں
عالم یہ کون سا ہے اگر موت کا نہیں
چلّا رہے ہیں اور کوئی جاگتا نہیں
شاید ہماری آہ میں تاثیر ہی نہیں　　یا کچھ کمالِ شوق کی تدبیر ہی نہیں

اُٹھو کہ وقت خواب گیا ہو چکی سحر!
دوڑاؤ دورِ حال کی رفتار پر نظر!
صرصر سے بھی ہے ساعتِ دوراں سریع تر
سعیٔ فلاح کر لو کہ موقع ہے مختصر
ہر ذرّے کو مثالِ رُخِ کہکشاں کریں　　اپنی زمیں کو اَوج دیں اور آسماں کریں

کشمیر کی فضا سے یہ اُٹھتا ہوا دھواں!
یہ اُجڑے اُجڑے کھیت یہ برباد گلستاں!
سُنسان وادیوں میں یہ لاشیں یہاں وہاں
لُٹتے ہوئے مکین تو جلتے ہوئے مکاں
نازل ہو تم پہ رحمتِ باری، مدد کرو　　آتی ہے یہ صدا کہ ہماری، مدد کرو

کب تک کسی سے وعدۂ فردا کریں گے ہم؟
اپنے ہی اعتماد کو رسوا کریں گے ہم!
کب تک یہ جنگ دُور سے دیکھا کریں گے ہم؟
کل ہم پہ آنچ آئی تو پھر کیا کریں گے ہم؟
ہاں لیکے نام حیدرِ کرّار کھینچ لیں   ہم بھی ذرا نیام سے تلوار... کھینچ لیں

اَمرِ بِزَن بِزَن کا دلوں میں خروش ہے
بیگانۂ حیات، ہر اک سرفروش ہے
کچھ اِس قدر جہاد کا سینوں میں جوش ہے
اب زندگی بھی اپنے لئے بارِ دوش ہے
دشمن کے دستِ ظلم سے شمشیر چھین لیں   آؤ کہ بڑھ کہ وادیٔ کشمیر چھین لیں!

۱۹۴۸ء

"الجلال" ڈیرہ اسمٰعیل خاں

مجاھدینِ کشمیر کے نام

ربابِ و نغمۂ خوشی کا آج کس کو ہوش ہے
مجاہدوں کے دل میں بس جہاد ہی کا جوش ہے
ہجومِ کارزار میں یہ شانِ سرفروش ہے
کوئی ہے جان و تن بکف، کوئی کفن بدوش ہے

بڑھے چلو بڑھے چلو مجاہدو بڑھے چلو

دلوں میں کِردگار کی محبّتیں لئے ہوئے
نظر میں اُلفتِ نبیؐ کی شدّتیں لئے ہوئے
رخوں پہ طارقِ جری کی صولتیں لئے ہوئے
قدم قدم پہ بے اماں قیامتیں لئے ہوئے

بڑھے چلو بڑھے چلو مجاہدو بڑھے چلو

یہ توپ، بم، جہاز، ٹینک مضحکہ ہے کچھ نہیں
پٹیل اور ڈوگروں کا طنطنہ ہے کچھ نہیں
سنو کہ فوجِ دشمناں مبالغہ ہے کچھ نہیں
زمیں کا آسمان سے مقابلہ ہے کچھ نہیں

بڑھے چلو بڑھے چلو مجاہدو بڑھے چلو

نشانِ ظلمِ شفق، جہاں سے پھر مٹا تو دو
نہیں جواب جن کا کچھ، تمہیں تو وہ جوان ہو
دکھا کے ہاتھ ناروا ستم کا انتقام لو
چکھا دو جنگ کا مزہ غنیم کی سپاہ کو
بڑھے چلو بڑھے چلو مجاہدو بڑھے چلو

شکستہ خاطروں کو پھر نویدِ فخر و شان دو
جو پیشتر نصیب تھی انہیں وہ آن بان دو
شکست مان لے عدو تو اس کو بھی امان دو
"ہمالیہ کی چوٹیوں پہ چڑھ کے پھر اذان دو"
بڑھے چلو بڑھے چلو مجاہدو بڑھے چلو

چلی ہوائے دلکشا، کھلا وہ بابِ زندگی
بہت نظر فریب ہے طلسمِ خوابِ زندگی
نہ لیجئے آج محتسب کچھ احتسابِ زندگی
پلا شرابِ زندگی، پلا شرابِ زندگی
بڑھے چلو بڑھے چلو مجاہدو بڑھے چلو

"الجلال" ڈیرہ اسمٰعیل خاں — ۱۹۴۸ء

پیمانِ وفا

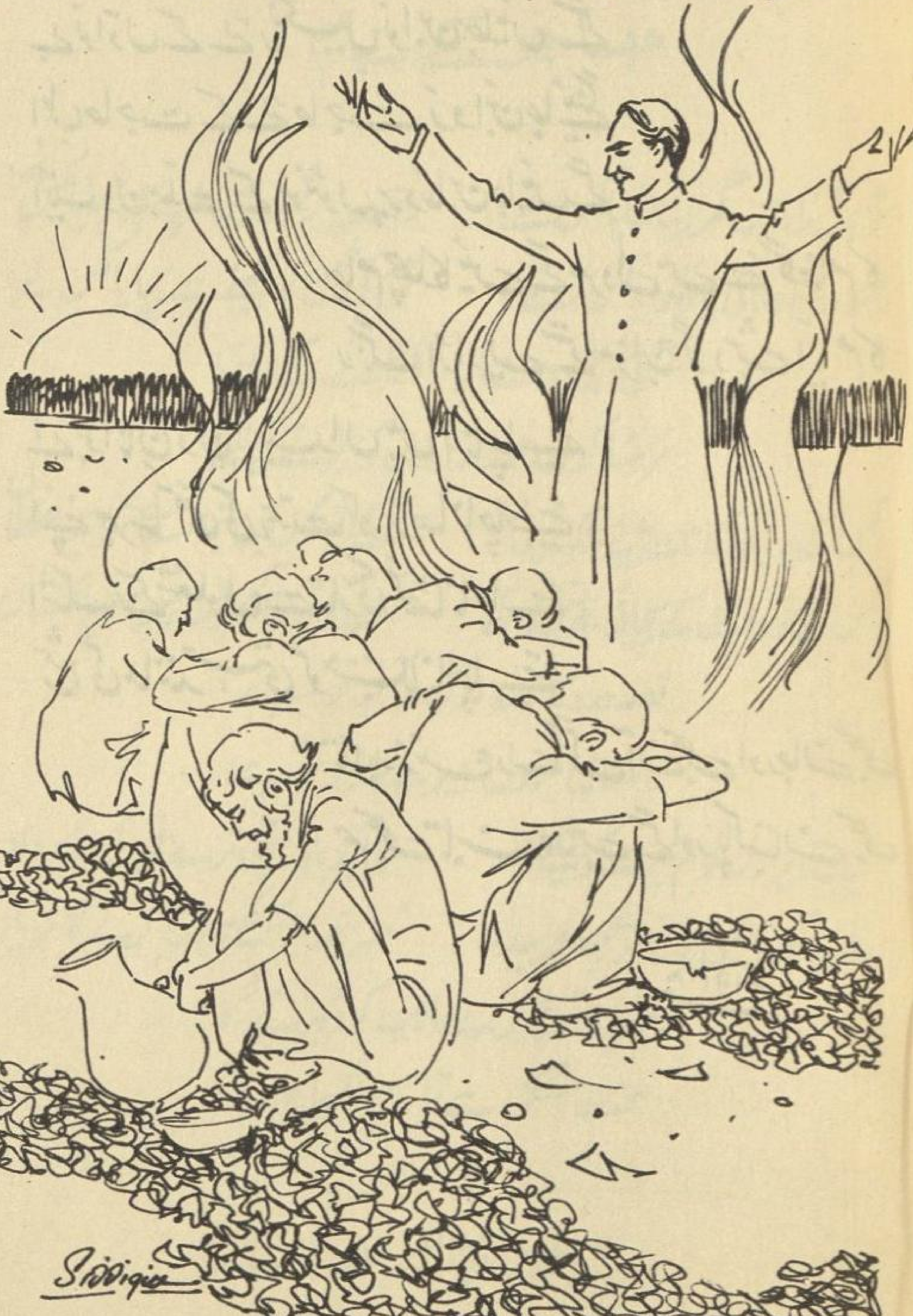
پھُول مُرجھائے ہوتے ہیں مضمحل ہے باغباں
موسمِ گلُ میں نظر آتی ہے تصویرِ خزاں
اُٹھ رہا ہے دیکھئے صحنِ گلستاں سے دھواں
گر چکی بجلی، سلگتی ہو گی شاخِ آشیاں

مِٹ گیا جب ملک دیوانوں کو جوش آیا تو کیا
شمع کے بجھنے پہ پروانوں کو ہوش آیا تو کیا

ناامیدی کیا ہے عزمِ کامراں پیدا کریں
غم کی تاریکی میں عیشِ ضوفشاں پیدا کریں
خونِ دل دے کر بہارِ جاوداں پیدا کریں
بجلیوں پر خود گرے وہ آشیاں پیدا کریں

بن کے مانندِ شعاعِ جلوۂ امید ہم
جگمگائیں دہر میں پھر صورتِ خورشید ہم

نا اُمیدی کیا ہے عزمِ کامراں پیدا کریں	غم کی تاریکی میں عیشِ ضوفشاں پیدا کریں
بن کے مانندِ شعاعِ جلوۂ اُمید ہم	جگمگائیں دہر میں پھر صورتِ خورشید ہم



بے سہاروں کے لئے ہم آسرا بن جائیں گے
بے نواؤں کے لئے رنگیں نوا بن جائیں گے
اہلِ حاجت کے لئے حاجت روا بن جائینگے
ایک دن ملّت کے ہونٹوں پر دُعا بن جائیں گے

جام چھلکائیں گے ہر دل میں مئے گلفام کا
رنگ اڑا دیں گے مزاجِ گردشِ ایّام کا

اے جوانانِ وطن، میدان میں آنا چاہیئے
اپنے ہر ساتھی کی ہمّت کو بڑھانا چاہیئے
اشک کے شعلوں سے تاریکی گھٹانا چاہیئے
شمع کی مانند ہستی کو جلانا چاہیئے

تا ابد زندہ رہے گی آن بھی اور جان بھی
ہم بھی تابندہ رہیں گے اور پاکستان بھی

سنہ ۱۹۴۸ء

مہاجر کے نام

قوم کی راہ میں گھر اپنا لٹایا کس نے؟ وقت پر خون میں اپنے ہی نہایا کس نے؟
راستہ وعدہ وفائی کا دکھایا کس نے؟ قوم کی شمع کو بجھنے سے بچایا کس نے؟

کشتیٔ اہلِ وفا پار لگانے کے لئے!
مر مٹا کون خود اَوروں کو جلانے کیلئے؟

کس کے برباد مکانات ہیں رشکِ ایواں؟ کسکے اشکوں میں شجاعت کے شرر ہیں غلطاں؟
کس نے خود مٹ کے بچائی ہے متاعِ ایماں؟ کسکی لاشوں کے عوض ہمکو ملا پاکستاں؟

قصہ درد کا بس اوّل و آخر تُو ہے
داستانِ غمِ دل، میرے مہاجر تُو ہے

تیرے ویرانوں کو ہم پھر سے کرینگے آباد تا اَبد یاد رہیگی ترے غم کی رُوداد
تجھ پہ کچھ ایسی ہوئی میرے مہاجر بیداد "حشر تک خاک کا ہر ذرّہ کرے گا فریاد"

جب مؤرخ ترے حالات کو دُہرائے گا
سخت مشکل سے ترا نام لکھا جائے گا

"الجلال" ڈیرہ اسمٰعیل خاں ۱۹۴۸ء

انصار کے نام

حامئ اہل وفا پیروِ قرآن ہے کون؟ واقفِ معنیٔ غم صاحبِ ایمان ہے کون؟
جو فقیروں سے ملے دہر میں سلطان ہے کون؟ صدمہ اوروں کا اُٹھائے وہ مسلمان ہے، کون؟

سرزمیں کو مری فردوس بنانے کے لئے!
کون بڑھتا ہے مہاجر کو بسانے کے لئے؟

دوستو تاب وتبِ انجم لرزاں کی قسم قلبِ شبنم کی قسم مہرِ درخشاں کی قسم
رونقِ بزم طرب شمعِ شبستاں کی قسم کیفِ رعنائیِ گل روحِ گلستاں کی قسم

ہر صدا پر یہی آواز دو، تیار ہیں ہم
کیا یہاں کوئی مہاجر ہے کہ انصار ہیں ہم

جو مہاجر ہیں یتیم اُن پہ کرم فرماؤ سنّتِ پیرویٔ رسمِ کہن دُہراؤ
ان کی گھبرائی ہوئی زیست کو بھی بہلاؤ اُن کے ٹوٹے ہوتے دل میں بھی خوشی پہونچاؤ

ان غریبوں کے بھی جینے کا سہارا کردو
ان کی تاریک فضاؤں میں اُجالا کردو

"الجلال" ڈیرہ اسمٰعیل خاں ۱۹۴۸ء

حقیقتِ تلخ

کیفؔ سے کہنے لگے یہ حضرتِ دل ایکروز — خرمنِ ہستی جلا ڈالے نہ تیرے دل کا سوز
رات دن یہ قوم کی حالت پہ رونا تا کجا — داغ ہائے شوق کو اشکوں سے دھونا تا کجا

مرد کو آلام سے آنکھیں لڑانا چاہیئے
انتہائے درد میں بھی مسکرانا چاہیئے

کیفؔ بولے اے مرے ہمدم انیسِ بیخودی — غم ہی کے دم سے ہے روشن اپنی شمعِ زندگی
کیا بتاؤں کیا گزر جاتی ہے اپنی رُوح پر — عیش کے قدموں کے نیچے غم کا لاشہ دیکھ کر
اسطرح چھائی ہوئی ہیں غربتوں پر عسرتیں — پستیوں پر جس طرح ہوتیں ہیں غالب رفعتیں
جہل، چوری، رشوتیں، سرمایہ داری افتراق — آج اپنی قوم ہے ہر قسم کے عیبوں میں طاق
اس طرح پھیلا ہوا ہے چار سو رشوت کا جال — قلبِ سادہ لوح کا بچ کر نکلنا ہے محال
خون میں اپنے نہائے تھے اسی دن کیلئے — جانے کتنے زخم کھائے تھے اسی دن کیلئے
اُف نہ کی اپنے گھروں میں آگ لگتی دیکھ کر — اب کہاں لے جائیں یہ اُجڑی ہوئی حیراں نظر
ظالموں کی تیغ بُراں کی چمکتی دھار پہ — کیا اسی دن کے لئے کٹوائے تھے بچّوں کے سر
یہ سمجھ کر لے لیا تھا مول خطرہ جان کا — نام تو دُنیا میں روشن ہوگا پاکستان کا

آہ لیکن اس قدر قربانیوں کے بعد بھی　　　کوئی بات ایسی نہیں ہے جس سے حاصل ہو خوشی

یوں تو کہنے کو ہزاروں ہیں فدائے قوم و دیں
کام کچھ کر کے دکھائے کوئی بھی ایسا نہیں

دوستو تم کو قسم ہے غیرتِ اسلام کی　　　آبرو رکھ لو نبیؐ کے آخری پیغام کی
ورنہ اگلے دَور کا جس کا دم مورخ آئیگا　　　وقت کی تاریخ میں شاید یہی لکھ جائیگا

"ہر مسلماں ناشناسِ معنئِ قرآن تھا
دردکی بستی تھی جس کا نام پاکستان تھا"

سنہ ۱۹۴۸ء

"الجلال" ڈیرہ اسمٰعیل خاں

عرضِ حال

رات دن قوم کی حالت پہ بُکا کیوں نہ کریں
فرطِ افکار کو محسوس کیا کیوں نہ کریں
انسدادِ غمِ درپیش بھلا کیوں نہ کریں
درد میں کیف نہ ہو کچھ تو دوا کیوں نہ کریں

خون تک وقتِ ضرورت پہ دیا ہے ہم نے
زندگی ملک پہ قربان کیا ہے ہم نے

نالہ و کرب میں ڈوبی ہوئی یہ شام و سحر
درد کی چوٹ سے ٹوٹے ہوئے یہ قلب و نظر
فاقہ پر فاقہ کا اُبھرا ہوا چہرے پہ اثر
بھوک کی آگ میں جلتی ہوئی خاموش نظر

عالمِ کاوش و افکار بدلنا ہے ہمیں
اب یہ کیفیتِ ادبار بدلنا ہے ہمیں

دہلی و الور و پنجاب کی خونبار فضا
درد و اندوہ کی چھائی ہوئی گھنگھور گھٹا
ظلم کی تیغ پہ کٹتا ہوا معصوم گلا
آج بھی ملّتِ اسلام کو دیتا ہے صدا

قوم نے غلبہ تو پایا ہے بڑی مشکل سے
ملک یہ ہاتھ میں آیا ہے بڑی مشکل سے

کیا یہ رشوت ہے غریبوں کی مصیبت کا صلہ؟ کیا وزارت ہے یہ دہلی کی قیامت کا صلہ؟
کیا یہی عہدے ہیں لُوٹی ہوئی عصمت کا صلہ؟ کیا یہی پارٹی بازی ہے سیاست کا صلہ؟

کچھ غریبوں کی صعوبت کا بھی احساس کرو
کم سے کم عزتِ اسلام کا تو پاس کرو

حق پرستوں کی مصیبت نہیں دیکھی جاتی اہلِ اسلام کی غُربت نہیں دیکھی جاتی
شکلِ فقدانِ اخوّت نہیں دیکھی جاتی کیف سے مُلک کی حالت نہیں دیکھی جاتی

یا خُدا قوم کو پھر عاملِ قرآں کر دے
ہر مسلماں کو حقیقت میں مسلماں کر دے

سنہ ۱۹۴۸ء

"فردوس" کراچی

فسانۂ درد

جس نے حکومتِ وقت کے فیصلے کو تبدیل کرا دیا۔ ۱۶ اپریل ۱۹۴۸ئہ کو قائدِ اعظم صوبہ سرحد کے دَورے کے سلسلہ میں ڈیرہ اسمٰعیل خاں تشریف لانے والے تھے۔ عوام زیارت کیلئے چشم براہ تھے۔ لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ پبلک جلسہ نہ ہوگا۔ بلکہ صرف چند با اقتدار حضرات ہی شرفِ ملاقات حاصل کر سکینگے تو عوام کے دلوں پر ایک بجلی سی گری۔ اور کیفؔ جس نے قائدِ اعظم کی نادیدہ محبت میں دَربدر کی ٹھوکریں کھائیں اور پاکستان میں آنے کا مقصد ہی جس کے تئے اس مقدس سرزمین اور قائدِ اعظم کی زیارت کے سوا کچھ اور نہ تھا، اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔ اس نظم میں جس بیباکی اور جرآتِ اظہار کو پیرایۂ بیان بنایا گیا ہے وہ صرف کیفؔ ہی کا حصہ ہے۔

جب یہ نظم قائدِ اعظم کی خدمت میں پیش کی گئی تو انہوں نے اسے قبول کرتے ہوئے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا:

REST ASSURED, NO PAPER THAT COMES TO ME, GOES UNNOTICED!

(یقین رکھئے، جو کاغذ مجھ تک پہونچتا ہے، اُس پر ضرور کارروائی کی جاتی ہے!)

اے امیرِ کارواں اے رہبرِ منزل شناس
اے کہ ہر رازِ کجی جادہ تجھ پر فاش فاش

اے کہ تیری ہمتِ باطل شکن کے سامنے
مڑ چکے ہیں بارہا رُخ گردشِ ایام کے

ظلم کا روندا ہوا اندوہ کا مارا ہوا
بھوک کی عفریت سے ہر شخص ہے ہارا ہوا

پھر غریبوں کی قبائیں ہو رہی ہیں تار تار
لے رہے ہیں رشوتوں پر رشوتیں با اختیار

میں نہیں کہتا کہ تو اِن حکمرانوں سے نہ مِل
میں نہیں کہتا کہ ان سرمایہ داروں سے نہ مِل

میں نہیں کہتا کہ تو انکی بہاروں کو نہ دیکھ
گلعذاروں، ماہ پاروں، نور پاروں کو نہ دیکھ

ہاں اجازت دے تو میں اتنا کہوں گا بالیقیں
اِن پرستاروں میں تیرا چاہنے والا نہیں

آ بتاؤں تجھ کو تیرے دوستداروں کے نشاں
جتنے ہونگے تشنہ لب سب ہونگے تیرے مدح خواں

دلنشیں کر لیتے ہیں وہ آپ کی تقریر کو
آنکھ میں رکھتے ہیں ہر دم آپ کی تصویر کو

گو کہ ہیں محتاج لیکن لب پہ تیرا نام ہے
قائدِ اعظم کی اُلفت کا یہی انجام ہے

کاش یہ روداد محرومی سنا سکتے تجھے
دل پہ جو کچھ بھی گزرتی ہے بتا سکتے تجھے

اِن بڑے لوگوں سے تو تجھ کو نہ ملنا تھا یہاں
یہ ترے قدموں پہ گرتے تو بلا لیتا جہاں

یا کوئی مظلوم تیری دید کے قابل نہیں
یا ترے سینہ میں کوئی غم سے واقف دل نہیں

اشکِ حسرت کو ترے غم کا سہارا کر لیا
یہ ستم بھی تیری اُلفت میں گوارا کر لیا

صرف تیری ذات سے وجہِ مانع پیکار ہے
ورنہ ہر ذرہ بغاوت کے لئے تیار ہے

---

۱۶ اپریل ۱۹۴۸ء

"مجاہد" ڈیرہ اسمٰعیل خاں

مژدۂ جانفزا

نظم "فسانۂ درد" اشاعت سے قبل ہی ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں عام ہوگئی تھی۔ عوام کے ہیجان و اضطراب سے مجبور ہو کر اربابِ اختیار نے عین موقع پر قائدِ اعظم کی آمد سے صرف ۱۸ گھنٹے قبل جلسۂ عام کے انعقاد کا اعلان کر دیا چنانچہ مندرجہ ذیل چند اشعار اشکوں میں ڈھل کر صفحۂ قرطاس پر آگئے اور ہفت روزہ "الہلال" ڈیرہ اسمٰعیل خان کی خصوصی اشاعت ۱۶ اپریل ۱۹۴۵ء کی زینت بنے۔

پلکوں پہ چمکنے ہی کو تھا غم کا ستارہ
اور ٹوٹنے والا تھا امیدوں کا سہارا

سننے میں سُنا دل نے بصد شوق و مسرت
پہونچے گا غریبوں کو بھی پیغامِ محبت

تدبیرِ علاجِ غمِ دل گیر کریں گے
کل قائدِ اعظم یہاں تقریر کریں گے

اندوہ میں تسکین کے پہلو نکل آئے
دل خوش ہوا اس درجہ کہ آنسو نکل آئے

ٹوٹے ہوئے دل کو جو ملا لُطف کا ساماں
ہر خار ہوا باعثِ صد رشکِ گلستاں

یارب ہو ترا خاص کرم ہم پہ ہمیشہ
رحمت ہو تری قائدِ اعظم پہ ہمیشہ

غم زدہ مہاجر سے

خوشی کا وقت ہے اے دوست غم کا وقت نہیں — کہ آج پائی ہے اسلامیوں نے آزادی

ذرا سکون تو لینے دے گردشِ ایام
ہم اپنے واسطے دُنیا نئی بنائیں گے
بھلا کے ہند کی رنگینیاں دماغوں سے
یہاں کی خاک سے اپنا وطن بنائیں گے
وہ کیفِ صبحِ بنارس وہ لطفِ شامِ اودھ
ہم اپنے جذبِ تصوّر سے کھینچ لائیں گے
تم ایک تاج محل کے لئے فسردہ ہو
ہزار تاج محل ہم یہاں بنائیں گے
ہم اپنے مُلک کی زینت کے واسطے اے دوست
فلک سے چاند ستارے بھی توڑ لائیں گے
گئے وہ دن کہ جہاں ہم پہ مُسکراتا تھا
ہم آج خود ہی زمانے پہ مسکرائیں گے

خوشی کا وقت ہے اے دوست غم کا وقت نہیں — کہ آج پائی ہے اسلامیوں نے آزادی

۱۹۴۸ء
"مخزن" لاہور

آہ قائدِ اعظم

کون سی وہ آنکھ ہے اشکوں سے جو پُر نم نہیں
کون سا وہ دل ہے جو مصروفِ رنج و غم نہیں
کیفؔ کو بھی دہرِ فانی سے اُٹھا لے اے خدا
زندگی کا کیا مزہ جب قائدِ اعظم نہیں

۱۲ ستمبر ۱۹۴۸ء

۱۲ ستمبر ۴۸ء

قائدِ اعظم نے ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء رات کو دس بج کر بیس منٹ پر داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ لیکن ساری قوم کو یہ اندوہناک خبر ۱۲ ستمبر ۴۸ء کی صبح کو ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ معلوم ہوئی۔ ملک میں یہ دن کیسے گزرا؟ اس نظم میں وہ تمام کیفیات پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اے کیفؔ ذرا ہوش کے دامن کی خبر لے ۔۔۔ پرواز پہ ہے نکہتِ گلشن کی خبر لے
اے محوِ طرب! برقِ شرر زن کی خبر لے ۔۔۔ خار و خس و خاشاکِ نشیمن کی خبر لے

داغِ دلِ رنجور عیاں ہو نہیں سکتا
غم قائدِ اعظم کا بیاں ہو نہیں سکتا

بندش میں ہو موجوں کی روانی نہیں ممکن ۔۔۔ مصرعہ میں ہو پُر درد کہانی نہیں ممکن
شعروں میں ہو خونباب فشانی نہیں ممکن ۔۔۔ شرحِ غمِ افکارِ نہانی نہیں ممکن

الفاظ کے سانچے میں اَلم ڈھل نہیں سکتا
تحریرِ خلش کیا ہو قلم چل نہیں سکتا

جب شور اُٹھا "قائدِ اعظم ہوئے رخصت" معلوم ہوا ٹوٹ پڑی سر پہ قیامت
کہرام ہر اک گھر میں مچا آ گئی آفت دُنیا کی ہر اک چیز بنی مرجعِ وحشت

اشکوں کی ہر ایک چشم سے اک نہر رواں تھی
ہر رُخ پہ غم و درد کی تصویر عیاں تھی

بھائی سے گلے مل کے کہیں رو رہا تھا بھائی ماں بیٹی کہیں دیتی تھیں رو رو کے دہائی
ایسی بھی نہ ہو گی کہیں آفت کبھی آئی یہ شکل قیامت کی مقدر نے دکھائی

ہر سمت مسلمان بصد یاس کھڑے تھے
سڑکوں پہ بہت لوگ تو بیہوش پڑے تھے

جب تین بجے ریڈیو نے سب کو بتایا اب قائدِ اعظم کا جنازہ نکل آیا
خلقت نے یہ سنتے ہی وہ کہرام مچایا اندھیرا سا ماحول کے آثار پہ چھایا

محسوس ہوا نبضِ جہاں چھوٹ رہی ہے
خورشیدِ قیامت کی کرن پھوٹ رہی ہے

وہ پانچ بجے شام کے جلسے کا نظارہ ڈوبا ہوا ملت کے مقدر کا ستارہ
اُس وقت کسی کو نہ رہا ضبط کا یارا ہر شخص بصد زاری و فریاد پکارا

رُخ سُوئے جناں موڑ گئے قائدِ اعظم
منزل پہ ہمیں چھوڑ گئے قائدِ اعظم

خاک اڑتی تھی ہر سمت فسردہ تھیں فضائیں
آتی تھیں ہواؤں سے بھی رونے کی صدائیں
رُوداد قیامت کی بھلا کیسے سُنائیں
افلاک سے اُتری چلی آتی تھیں بلائیں

جیسے کوئی دل گیر و گلوگیر صدا میں
رہ رہ کے سسکتا تھا الصد جبر فضا میں

آنکھوں کو اس انداز سے روتے نہیں دیکھا
خونباب سے دامن کو بھگوتے نہیں دیکھا
حسّ خرد و ہوش کو کھوتے نہیں دیکھا
بے خود تو کبھی کیف کو ہوتے نہیں دیکھا

آشفتہ و بیتاب جو ہر فرد و بشر تھا
یہ قائدِ اعظم کی محبّت کا اثر تھا

۱۹۴۸ء

"جمہور" ہری پور ہزارہ

نذرِ قائد

اے قائدِ اعظم چمنِ شوق کے مالی
قدرت نے تجھے دی تھی عجب فطرتِ عالی
بنیادِ گلستاں کی بیاباں میں جو ڈالی
ہر خار کے چہرے سے ٹپکنے لگی لالی

گردش میں سرِ بزم جو یوں جام رہے گا
تا حشر زمانے میں ترا نام رہے گا!!

اے ملتِ اسلام کے جانباز سپاہی
کاٹی ترے ایمان نے زنجیرِ غلامی
تو نے نگہِ شوق میں وہ شمع جلادی
خود سامنے آتی ہوئی منزل نظر آئی

یہ مملکتِ پاک جو تو نے مجھے دی ہے
اس پر تو زمانے کی بھی اُمید بندھی ہے

اے قائدِ اعظم کبھی ایسا نہ ہوا تھا
بے جنگ کسی کو بھی کبھی کچھ نہ ملا تھا
آزادی کی تحریک میں کب خوں نہ بہا تھا؟
یہ معجزہ ظاہر ترے ہاتھوں سے ہوا تھا

مِل سکتا نہ تھا ملک جو شمشیرِ دو دم سے
تو نے اُسے قبضہ میں کیا زورِ قلم سے

آئے گی اگر آنچ تری پاک زمیں پر
ہم اُس کی محبت میں لٹا دیں گے بھرا گھر
خویش و پدر و مادر و ہمشیر و برادر
سب سینہ سپر ہونگے بصد شوق برابر

کچھ فکر نہیں اس کی جئیں گے کہ مریں گے
ہم باغِ وطن خون سے شاداب کریں گے

اشکوں میں لہو دل کا مِلا تیرے لئے ہے ———— دلسوزیٔ اربابِ وفا تیرے لئے ہے
تحسین و ستائش کی صدا تیرے لئے ہے ———— کونین کے ہونٹوں پہ دُعا تیرے لئے ہے

اللہ کی یہ خاص نوازش ہو ہمیشہ
تربت پہ تری پھول کی بارش ہو ہمیشہ

۱۹۴۸ء
"جمہور" ہری پور ہزارہ



مِل سکتا نہ تھا ملک جو شمشیرِ دو دم سے
تُو نے اُسے قبضہ میں کیا زورِ قلم سے

کشمیر، فطرت کی آغوش میں

اَللہ رے رنگینیٔ کشمیر کا عالم
ہر پھول میں ہے حسن کی تصویر کا عالم
ماحول پہ ہے کثرتِ تنویر کا عالم
خاموش فضاؤں میں ہے تقریر کا عالم

جو چیز ہے حیراں کُنِ چشمِ نگراں ہے
ہر ذرّے پہ خورشیدِ درخشاں کا گماں ہے

یوں صبح کے آنچل سے جھلکتا ہے رُخِ شام
ساغر میں عیاں ہوتی ہے جیسے مئے گلفام
کچھ ایسی تب و تاب کے جلوے ہیں بہ ہر گام
رُک جائے جنہیں دیکھ کے خود گردشِ ایّام

یہ خطّہ ہے آئینۂ رعنائیٔ فطرت
یا پردۂ دُنیا پہ ہے اک پرتوِ جنّت

یہ "ڈل"[1] کی جبیں سطح پر موجوں کی روانی
رُک رُک کے بیاں جیسے ہو اُلفت کی کہانی
آئینۂ انوار ہے بہتا ہوا پانی
شرماتی ہے رہ رہ کے مناظر کی جوانی

رنگین ستاروں سے کرن پھوٹ رہی ہے
مہتابیٔ صد کیف نظر چھوٹ رہی ہے

یہ پھولوں کا مجمع یہ چناروں کی قطاریں
بل کھاتی مچلتی ہوئی رنگین بہاریں
پڑتی ہوئی ہر سمت مسرت کی پھواریں
سبزوں پہ پڑی قطرۂ شبنم سے یہ دھاریں

دیوانہ بنا کر نگۂ ہوش ادا کو
پیغام جنوں دیتی ہیں عالم کی فضا کو

دُنیا میں غرض خطّہ ضوبار ہے کشمیر
گلزار ہے یا مطلعِ انوار ہے کشمیر
گلفام حسینوں کے لئے ہار ہے کشمیر
فردوس نشان دچمن آثار ہے کشمیر

کہتے ہیں جسے وادیٔ انوار یہی ہے
اللہ کی صنّاعی کا شاہکار یہی ہے

۱۹۴۹ء

"نظام المشائخ" کراچی

---

[1] کشمیر کی مشہور جھیل

کشمیر جنگ کے شعلوں میں

کیا کیجیے تشریحِ ستم ہائے زمانہ ہر نغمۂ عشرت ہے مصیبت کا بہانہ
ڈوبا ہوا اشکوں میں ہے بہجت کا فسانہ ڈرتا ہوں کہ آہوں میں نہ کھو جائے ترانہ

یہ کیسی ہوا گلشن دنیا میں چلی ہے
اک آگ سی ہر پھول کے دامن میں لگی ہے

یہ ظلم زمانے کا قیامت سے نہیں کم آتشکدۂ دہر ہے اور جلوۂ شبنم
کشمیر جسے کہتے تھے سب جنتِ عالم تہذیب و تمدن کا وہاں آج ہے ماتم

اب ارضِ مسرت ہے نہ وہ کیف کی بستی
ہر منظرِ دلکش ہے رہینِ غمِ ہستی

وہ بزمِ طرب ہے نہ وہ الفت کی کہانی! اب چشمِ گہربار ہے اور اشک فشانی!
رکتی ہی نہیں روکے سے اشکوں کی روانی! شعلوں میں گھری جاتی ہے معصوم جوانی

انوار برستے تھے جہاں عرشِ بریں سے
اب خون برستا ہے ستاروں کی جبیں سے

مجروح مسرّت ہے تو زخمی ہے تبسّم
چیخوں میں غریبوں کی سسکتا ہے ترنّم
کل جن کی زباں سے تھا زمانے میں طلاطم
صد حیف وہی آج ہیں محتاجِ تکلّم

ٹوٹا ہوا ہر سازِ طرب خیز پڑا ہے
اب نغمۂ عشرت کے عوض آہ و بُکا ہے

وہ جلوۂ رنگِ سحر و شام کہاں اب
موزوں روشِ گردشِ ایام کہاں اب
جامِ طرب و بادۂ گلفام کہاں اب
میخواروں کی وہ لغزشِ ہر گام کہاں اب

مٹنے ہی کو ہے گلشنِ کشمیر بچالے
یارب نگۂ شوق کی تصویر بچالے

۴۹ء

"نظام المشائخ" کراچی

شکستِ دل

یک بیک اک دن عالمِ تخیل میں کھویا ہوا
گھر کی جانب جا رہا تھا چوک سے ہوتا ہوا

عرصۂ گیتی پہ تاریکی ابھی پھیلی نہ تھی
رات کے گیسو پہ افشاں نجم کی چھٹکی نہ تھی

دے رہی تھی شام دن کو، کوئی مبہم سا پیام
اتنے ہی میں ایک لڑکی نے کیا مجھ کو سلام

بعد اس کے ایک بھرائی ہوئی آواز سے
عجز سے بولی خدا کے نام پر کچھ دیجئے

پھر ادائیں غم کا افسانہ سُنا کر رہ گئیں
ہونٹ کانپے اور آنکھیں ڈبڈبا کر رہ گئیں

قلبِ مضطر پر لگی اک چوٹ سی بے اختیار
رہ گیا بس ٹوٹ کر تخئیل کا ہر ایک تار

ملکۂ ارض و سماؤں ہوں گدا سے ہم کلام؟
ساقیٔ میخانہ ہو احسان مندِ تشنہ کام؟

یہ چہرۂ ناہید ہو نا آشنائے رنگ و بُو؟
دیکھئے کیونکر کہ آنکھوں سے ٹپکتا ہے لہو

صبحِ جلوہ ریز ہو منت کشِ بے رنگ شام؟
صنفِ نازک بھیک مانگے اور سرِ بازارِ عام؟

جن نگاہوں میں چمک تھی کہکشاں و ماہ کی
خاک اب اُن میں پڑا کرتی ہے اُڑ کر راہ کی

باعثِ صد رشکِ سنبل جن کی تھیں زلفِ دراز
چھن گیا ہے آج اُن کی نرم بانہوں کا گداز

ہاتھ جن کے تھے بنے رنگِ حنا کے واسطے
حیف اُٹھتے ہیں وُہی اب بھیک سب سے مانگنے

کل جو کہلاتے تھے جانِ قلبِ صد رشکِ چمن
آج وہ سب ہیں اسیرِ دامِ صد رنج و محن

حُسن کا جن کے سروں پر اک دن رکھا تھا تاج
ہاتھ پھیلائے پھرا کرتے ہیں وُہ گلیوں میں آج

دیدۂ عبرت طلب اُٹھ حشر کا نظارہ کر
کچھ تو سعیٔ اجتماعِ لاشۂ صد پارہ کر

اے خدائے دو جہاں اے مالکِ ہر بحر و بر
رحم کر لِلّٰہ میرے حال پر اب رحم کر

قصۂ درد و الم اب تو کہا جاتا نہیں
میرے ٹوٹے دِل سے یہ صدمہ سہا جاتا نہیں

۴۹ء
"فردوس" کراچی

بہن

اے بہن، اے نازشِ گلہائے باغِ زندگی
ملکۂ اقلیمِ دل، نورِ چراغِ زندگی

روحِ دل جانِ جگر اے اعتبارِ زندگی
گُل بداماں ہے ترے دم سے بہارِ زندگی

رنج کو وجہِ سکونِ جاں بنا دیتی ہے تو
مسکرا کر درد کو درماں بنا دیتی ہے تو

تیری ہستی سے ہے قائم رونقِ بزمِ حیات
جنبشِ لب پر تری رقصاں ہے حسنِ کائنات

تیرے عارض سے ضیا پاتی ہیں کرنیں چاند کی
تیری آنکھوں سے چھلکتی ہے شرابِ زندگی

چھیڑتی ہے وجد میں تو جب کبھی سازِ حیات
جھوم اُٹھتی ہے ترے نغموں سے بزمِ کائنات

انبساطِ زندگی ہے کیفِ سوز و ساز ہے
قلبِ فطرت سے کوئی نکلی ہوئی آواز ہے

سنتے ہیں ہم بھائی جب بیمار ہوتا ہے کبھی
درد میں جب طالبِ غمخوار ہوتا ہے کبھی

ہر گھڑی بیمار کو تسکیں دیا کرتی ہے تو
رات بھر خود جاگ کر پنکھا جھلا کرتی ہے تو

دولتِ دُنیا پہ کرتی ہے نہ خود آرائی پر
تو اگر کچھ ناز کرتی ہے تو اپنے بھائی پر

بھائی کے سر پر جھلکتا ہے جو سہرا بار بار
دیدنی ہوتی ہے پھر تیری مسرّت کی بہار

جلوۂ رنگیں میں گم ہو ہو کے لہراتی ہے تو
جھومتی ہے مسکراتی ہے نکھر جاتی ہے تو

مختصر یہ ہے کہ بزمِ دل کی زینت ہے بہن
اپنے بھائی کے لئے دنیا کی نعمت ہے بہن

اے خُدائے دو جہاں اے مالک ارض و سما
اے جلیل المرتبت اے منبع نور وضیا
یوں تو اپنے کیف کو ہر چیز کی تو نے عطا
رنج وغم درد والم سوزِ جگر سب کچھ دیا
لیکن اس نعمت سے کیوں محروم تو نے کر دیا
شیشۂ دل توڑ کر کیوں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا
خوگرِ ضبطِ خلش آہ و فغاں کیونکر کرے
دل پہ جو کچھ بھی گزرتی ہے بیاں کیونکر کرے

عندلیبِ زار نالاں ہے چمن کے واسطے
میں زمانے میں تڑپتا ہوں بہن کے واسطے

۴۹ء

"حرم" لاہور

مسلماں نہیں رہا

احوالِ رنگِ گردشِ دوراں نہ پوچھئے
وجہ تغیراتِ گلستاں نہ پوچھئے
اسبابِ اضطرابِ دل وجاں نہ پوچھئے
کیونکر ہوا ہے چاک یہ داماں نہ پوچھئے

اس درجہ آنسوؤں کی روانی کا جوش ہے
قبضہ میں اب نہ دل ہے نہ قابو میں ہوش ہے

گوشِ جہاں ہے اور لبِ نے نواز ہے
عالم اسیرِ حلقۂ نغمات وساز ہے
اب واقفِ فغاں نہ کوئی اہلِ راز ہے
سجدوں سے آج اپنی جبیں بے نیاز ہے

ارض وسما پہ چھائی ہے کچھ ایسی بے خودی
لیتا نہیں ہے بھول کے نامِ خدا کوئی

کانٹوں کو ہے جمالِ گلِ تر کی آرزو
ذرات کو ہے تابشِ اختر کی آرزو
قطرے بھی کر رہے ہیں سمندر کی آرزو
لیکن نہیں کسی کو پیمبرؐ کی آرزو

سامانِ صد نشاط ہے ساقی ہے جام ہے
اللہ ہے ہے کام نہ مذہب سے کام ہے

دنیا میں ہو رہی ہے ہر اک سمت روشنی
اور خانۂ خدا کی ہیں شمعیں بجھی بجھی
کلبوں میں جلوہ ریز ہیں نغماتِ صد خوشی
ویران مسجدوں پہ برستی ہے بیکسی

عظمت شناسِ آیتِ قرآں نہیں رہا
شاید جہاں میں کوئی مسلماں نہیں رہا

۱۹۴۹ء
"فردوس" کراچی

اظہارِ حقیقت

کس سے کہیں جو حال پریشاں ہے آجکل
ناگفتنی نظامِ گلستاں ہے آجکل
ناسازگار گردشِ دوراں ہے آجکل
صیدِ جفا ہر ایک مسلماں ہے آجکل

اِس کا نہیں ہے غم جو ستم غیر نے کیے
افسوس یہ ہے دوست ہیں دشمن بنے ہوئے

کہنے کو یوں تو قوم کے حامی ہزار ہیں
ہیں ناشناسِ درد مگر غمگسار ہیں
جتنے بھی اہلِ منصب و با اقتدار ہیں
سب اپنے وقت وعہد کے پروردگار ہیں

رازآگہِ اخوتِ باہم کوئی نہیں
ہم فکر و درکِ قائدِ اعظم کوئی نہیں

یہ کیا غضب ہے درد سے فرصت نہیں ہمیں
لیکن بیانِ غم کی اجازت نہیں ہمیں
آزادیٔ گذارشِ کلفت نہیں ہمیں
اب ضبطِ جبر وظلم کی طاقت نہیں ہمیں

کب تک مصیبتوں کا نشانہ بنیں گے ہم
گھبرا کے مرنہ جائیں گے تو کیا کریں گے ہم

یارب تجھے جمالِ گلِ تر کا واسطہ
رعنائیِ قمر، رُخِ اختر کا واسطہ
نورِ چراغِ مہرِ منور کا واسطہ
پروردگار، رُوحِ پیمبر کا واسطہ

اِن حاکموں کے قلب کو بھر دے خلوص سے
یا پھر ہمارے قائدِ اعظم کو بھیج دے

"فردوس" کراچی ۴۹ء

بدل ڈالو

نقوشِ مرکزِ منزل نشاں بدل ڈالو
مقامِ مرحلۂ کارواں بدل ڈالو

جو رفعتِ مہ و انجم ہو مدِّ سعی و طلب
سُبک خرامیٔ گامِ رَواں بدل ڈالو

مٹا دو دہر سے تفریقِ غربت و عشرت
نظامِ کہنۂ بزمِ جہاں بدل ڈالو

جگر کے خون سے محفل کو رونقیں بخشو
گلوں کے حُسن کی رنگینیاں بدل ڈالو

مِلا کے شعلوں کو آنسو کے قطرہ قطرہ میں
مزاجِ سیلِ سرِاشکِ رواں بدل ڈالو

رسا نہیں ہے اب نالہ ہائے نیم شبی
نوائے شیون و طرزِ فغاں بدل ڈالو

رہے نہ خطرۂ افسردگی کسی گُل کو
نظامِ عہدِ بہار و خزاں بدل ڈالو

چمن میں آگ لگا دیں جو اپنے ہاتھوں سے
وطن کے باغ کے وہ باغباں بدل ڈالو

جنہوں نے دولتِ ملّت ہمیشہ لوٹی ہے
متاعِ قوم کے وہ پاسباں بدل ڈالو

ضرور پہونچے گا منزل پہ کارواں لیکن
یہ شرط ہے کہ رہِ کارواں بدل ڈالو

۴۹ء

"مجاہد" ڈیرہ اسمٰعیل خاں

پشاور یونیورسٹی کا قیام

لیلیٰ حسنِ تمدن مرکزِ علم و کمال — کس قدر عشرت فزا ہے تیری ہستی کا خیال
میرے سینہ میں جو پنہاں تھی وہی تصویر ہے — تو مرے خوابِ پریشاں کی حسیں تعبیر ہے
بات جو بنتی نہ تھی تیری بدولت بن گئی — جس کو سب افسانہ کہتے تھے حقیقت بن گئی
تو مثالِ جلوہ گاہِ مہرِ عالم تاب ہے — قوم کی تاریخِ نو کا اک درخشاں باب ہے

تیرگئی بزمِ ہستی کے لئے قندیل ہے
جادۂ علم و ادب پر ایک سنگِ میل ہے

علم و فن پر جان دیتے ہیں بشر ایسے بھی ہیں — صوبۂ سرحد میں کچھ اہلِ نظر ایسے بھی ہیں
سنگ کو روشن کریں آئینہ گر ایسے بھی ہیں — خاک کو سونا بنا دیں باہنر ایسے بھی ہیں
خادمِ ملت بھی ہیں محبوبِ اہلِ دل بھی ہیں — زینتِ منبر بھی ہیں اور رونقِ محفل بھی ہیں
دیکھنا یہ ہے کہ کیونکر رنگ لایا جائے گا — کس طرح تیری بہاروں کو سجایا جائے گا

نقش ہائے رنگِ رُخ کیونکر اُبھارے جائینگے
کس کے ہاتھوں سے تیرے گیسو سنوارے جائینگے

اے چراغِ علم وفن تصویرِ شانِ دلبری
نوربرسائیگی سرحد میں تری جلوہ گری

تیری خدمت کو جو کچھ اہلِ نظر مل جائینگے
تیری زینت کے لئے لاکھوں گہر مل جائینگے

زندگی کی لہر دوڑے گی وزیرستان میں
علم کے دریا بہیں گے وادیٔ کاغان میں

آبرو اب تجھ کو رکھنی ہے دلِ پُرشوق کی
تجھ سے وابستہ ہے ہر امید اہلِ ذوق کی

اپنے عزم وشوق کی منزل ہے تیرے ہاتھ میں
صوبہ سرحد کا مستقبل ہے تیرے ہاتھ میں

۱۴ر اکتوبر ۵۰ء

"روزنامہ" مغربی پاکستان" لاہور

پاکستانی بچّے

مسکراتے ہوئے ہر سمت گلابی چہرے
جگمگاتے ہوئے پُر نور شہابی چہرے
نشۂ علم سے مخمور کتابی چہرے
آج سرشار ہیں بچپن کی فسوں کاری سے
کل سنبھالیں گے وطن کو بڑی ہشیاری سے

پاک بچوں کی تو ایک ایک ادا پیاری ہے
مہربانی ہے مروّت ہے وفاداری ہے
ان میں آپس میں محبّت کا چلن جاری ہے
آج سرشار ہیں بچپن کی فسوں کاری سے
کل سنبھالیں گے وطن کو بڑی ہشیاری سے

ڈاکٹر اِن میں بنیں گے پروفیسر اِن میں
کوئی اقبالؔ بنے گا کوئی جوہرؔ اِن میں
ہوں گے کچھ قاسمؔ و طارقؔ سے دِلاور انمیں
آج سرشار ہیں بچپن کی فسوں کاری سے
کل سنبھالیں گے وطن کو بڑی ہشیاری سے

کھیل کے وقت بڑے تیز ہیں طرّار ہیں یہ
پڑھنے لکھنے کے لئے شوق سے تیّار ہیں یہ
باسلیقہ ہیں مؤدب ہیں خوش اطوار ہیں یہ
آج سرشار ہیں بچپن کی فسوں کاری سے
کل سنبھالیں گے وطن کو بڑی ہشیاری سے

اے وطن اہلِ وطن اِن کا ذرا دھیان رہے
ان کے ہونٹوں پہ تبسم ہی ہر اک آن رہے
پاک بچوں کی ترقی ترا ایمان رہے
آج سرشار ہیں بچپن کی فسوں کاری سے
کل سنبھالیں گے وطن کو بڑی ہشیاری سے

۵۲ء

کیا ہوا؟

وہ لُطف کی نظر وہ عنایت نہیں رہی — دِل میں اُمنگ لب پہ حرارت نہیں رہی
سینے میں آرزوئے مسرت نہیں رہی — جو نازشِ طلب تھی وہ حسرت نہیں رہی
اے ذوقِ بندگی تیری لذّت کو کیا ہوا؟

جو دل کے پاس تھے وہ بہت دُور ہوگئے — آئینے ہاتھ سے جو چھُٹے چوُر ہو گئے
جو منظرِ نگاہ تھے مستور ہو گئے — آثارِ شوق یاس سے معمور ہو گئے
اے آرزوئے دل تری جنّت کو کیا ہوا؟

کیوں کُشتگانِ غم کو کوئی مانتا نہیں؟ — قربانیوں کو بھی کوئی گردانتا نہیں؟
کیوں بیکسوں کو وقت ابھی پہچانتا نہیں؟ — یہ ارضِ پاک ہے یہ کوئی جانتا نہیں
اے جذبۂ وفا تیری غیرت کو کیا ہوا؟

کیوں رنگ اُڑ رہا ہے چمن میں بہار کا؟ — ہر پھول شکوہ سنج ہے کیوں نوکِ خار کا؟
کیوں چاک پیرہن ہے کسی گلعذار کا؟ — ہر لب پہ تذکرہ ہے رسن اور دار کا
اے کیفِ رسم و راہِ محبّت کو کیا ہوا

۵۷ء

حادثوں کا شہر

کراچی کو کبھی ہم بلدۂ پُرنور کہتے تھے — یدِ بیضا سمجھتے تھے چراغِ طور کہتے تھے
رُخِ زیبائے سلمیٰ لیلیٰ مخمور کہتے تھے — بہشتِ شوق و فردوسِ نظر کی حور کہتے تھے
مگر اب تو کراچی حادثوں کا شہر ہے ساقی

گئے وہ دن یہاں جب زندگی ہر دم سنورتی تھی — کسی کی یاد اکثر جادۂ دل سے گزرتی تھی
کسی کی زلفِ عنبر فام شانوں پر بکھرتی تھی — محبت جھومتی تھی اور تمنا رقص کرتی تھی
مگر اب تو کراچی حادثوں کا شہر ہے ساقی

کوئی جس دم یہاں محوِ خرامِ ناز ہوتا تھا — ہجومِ شوق بڑھ کر مائلِ پرواز ہوتا تھا
تکلم اور تبسم کا عجب انداز ہوتا تھا — مجسم سوز ہوتا تھا سراپا ساز ہوتا تھا
مگر اب تو کراچی حادثوں کا شہر ہے ساقی

مسلسل گر رہی ہیں بجلیاں معصوم شوقوں پر — خراشِ اشک بھی ہے مرتسم مغموم چہروں پر
اُداسی چھا رہی ہے ہر طرف آباد گلیوں پر — بجائے زیست اب تو موت کے سائے ہیں ہر کوچے پر
ہمارا شہر اب تو حادثوں کا شہر ہے ساقی

پڑی ہیں ہر طرف بکھری ہوئی لاشیں غریبوں کی — یہ رضیہ ہے وہ سلطانہ وہ بیگم طاہرہ کشفی
اِدھر کوئی تڑپتا ہے لہو میں تر بہ تر زخمی — اُدھر معصوم کوئی لے رہا ہے آخری ہچکی

ہمارا شہر اب تو حادثوں کا شہر ہے ساقی

یہاں گیرج سے بس جب شاہراہ پر نکلتی ہے — لہو کی آرزو میں موت کی دیوی مچلتی ہے
یہ دیوی موت کی بس خونِ انسانی سے پلتی ہے — پلاتے ہیں اسے جتنا یہ اُتنا تیز چلتی ہے

ہمارا شہر اب تو حادثوں کا شہر ہے ساقی

تصوّر ہر طرف بس موت کا نظارہ کرتا ہے — تخیّل رہگذارِ شوق سے بھی کم گزرتا ہے
قدم رکھتے ہوئے باہر یہاں ہر شخص ڈرتا ہے — جو بس سے بچ نکلتا ہے گٹر میں گر کے مرتا ہے

ہمارا شہر اب تو حادثوں کا شہر ہے ساقی

رہے گی موت کی بس خونِ انساں سے رواں کب تک؟ — اُٹھے گا سینۂ ہستی سے آہوں کا دھواں کب تک؟
رہیں گے خوابِ غفلت میں ہمارے پاسباں کب تک؟ — سرِ بازار لُوٹا جائے گا یوں کارواں کب تک؟

ہمارے شہر میں کب ہو گا پھر امن و اماں ساقی؟

سنہ ۶۳ء
"حریت" کراچی

فدائے فرض

(ایک نرس کی تیمارداری سے متاثر ہو کر)

سعیدہ! اضطراب آگاہ و کاوش آشنا تم ہو
کہ ہر آشفتہ کی تسکین ہی میں مُبتلا تم ہو

مداوائے غمِ دل خوش کلامی کے سوا کیا تھا
لبوں سے پھول جھڑتے ہیں بہارِ جانفزا تم ہو

خرامِ ناز کا یہ دل کشُا انداز کیا کہنا
کھلے غنچے ہزاروں مثلِ امواجِ صبا تم ہو

ہزاروں رنگ کے عالم ہیں ہر انداز میں پنہاں
بہشتِ ناز ہو تسنیم و کوثر کی فضا تم ہو

رُخِ روشن سے تابش مہرِ عالمتاب پاتا ہے
شبِ غم کی سحر ہوتی ہے جس سے وہ ضیا تم ہو

تمہاری شوخ آنکھوں میں بہاریں رقص کرتی ہیں
سُرودِ زلیست کے پُر کیف نغموں کی صدا تم ہو

تمہارے گیسوؤں کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے
فضائے گلشنِ ہستی میں ساون کی گھٹا تم ہو

تمہیں دیکھا ہے میں نے محوِ احساسِ فرائض میں
سدا مائل بہ سعیٔ خدمتِ بے انتہا تم ہو

بھلا ہے یا بُرا کوئی نہیں اس سے غرض تم کو
ہر اک بیمار کے حق میں مسیحِ جانفزا تم ہو

تمہاری رات ساری کٹتی ہے تیمارداری میں
مریضوں کی شفا کے واسطے محوِ دُعا تم ہو

کسی عالم میں بھی تمکو کبھی غصہ نہیں آتا
شریف النفس، عالی ظرف، تصویرِ وفا تم ہو

کوئی گالی بھی دیتا ہے تو تم شکوہ نہیں کرتیں
شرافت جس کو کہتے ہیں بس اُسکی انتہا تم ہو

عبادت تم سمجھتی ہو اَدائے ذمہ داری کو
فدائے فرض ہو تم، جاں نثاری کی ادا تم ہو

مری اپنی بہن بھی ایسی خدمت کر نہیں سکتی
ہمارے خون کے رشتے سے بھی شاید سِوا تم ہو

دلِ شاعر تمہاری عظمتوں کے گیت گائے گا
ربابِ آرزو کا نغمۂ شیریں نَوا تم ہو
تمہیں پہناؤں گا اک تاجِ زریں شعرِ رنگیں کا
نگاہِ کیفؔ میں شاہوں سے رُتبہ میں سوا تم ہو

۶۳ء

پاک فضائیہ

شاہیں کی طرح اُڑنے میں بھرتے ہیں طرارے ...... طیارے ہمارے
حاوی ہیں فضاؤں پہ شجاعت کے سہارے ...... جرأت کے ستارے
اصغر کا ہنر، نور کی تدبیر تو دیکھو! — تسخیر تو دیکھو
نظارۂ اندازِ فضاگیر تو دیکھو! تاثیر تو دیکھو
حاوی ہیں فضاؤں پہ شجاعت کے سہارے ...... جرأت کے ستارے
مسعود کو جرأت کا ہلال آج مِلا ہے!... یہ فضلِ خدا ہے
تحسین کے نعروں سے وطن گونج رہا ہے! ہر لب پہ دعا ہے
شاہیں کی طرح اُڑنے میں بھرتے ہیں طرارے ...... طیارے ہمارے
محمود کا حملہ ہو کہ سجاد کا حملہ! افتاد کا حملہ
ہے اِن کی جھپٹ زورِ خداداد کا حملہ۔ فولاد کا حملہ
حاوی ہیں فضاؤں پہ شجاعت کے سہارے ...... جرأت کے ستارے

اقبال ونذیر، احمد و زاہد کی قیادت! سید کی شجاعت
رضوان ولطیف اور صلاحِ اولوالعظمت، ہیں نازشِ ملت

شاہیں کی طرح اُڑنے میں بھرتے ہیں طرارے ...... طیارے ہمارے
پروازِ رفیق و ضیا یاد رہے گی ــ وفا یاد رہے گی
ہاں یونس و خالد کی ادا یاد رہے گی ـ سدا یاد رہیگی

حاوی ہیں فضاؤں پہ شجاعت کے سہارے .... جرأت کے ستارے
ہے انمیں ہلال ایک، تو چودہ ہیں ستارے ـ ملت کے ہمارے
چودہ سے عیاں پنجتنی فیض کے دھارے ـ فطرت کے اشارے

شاہیں کی طرح اُڑنے میں بھرتے ہیں طرارے .... طیارے ہمارے
جانبازوں کو اللہ کی نصرت کا یقیں ہے ـ کچھ شک ہی نہیں ہے
اور سایہ فگن شہپرِ جبریلِ امیں ہے ـ اب فتح مبیں ہے

حاوی ہیں فضاؤں پہ شجاعت کے سہارے .... جرأت کے ستارے
شاہیں کی طرح اُڑنے میں بھرتے ہیں طرارے .... طیارے ہمارے

۱۱ر ستمبر ۱۹۶۵ء
"حریت" کراچی

تاریخ ساز ہوا باز



ایئر مارشل ایم ــ نور خان

ہلالِ جرأت ـ ستارۂ پاکستان ـ ستارۂ قائداعظم

کمانڈر انچیف پاک فضائیہ



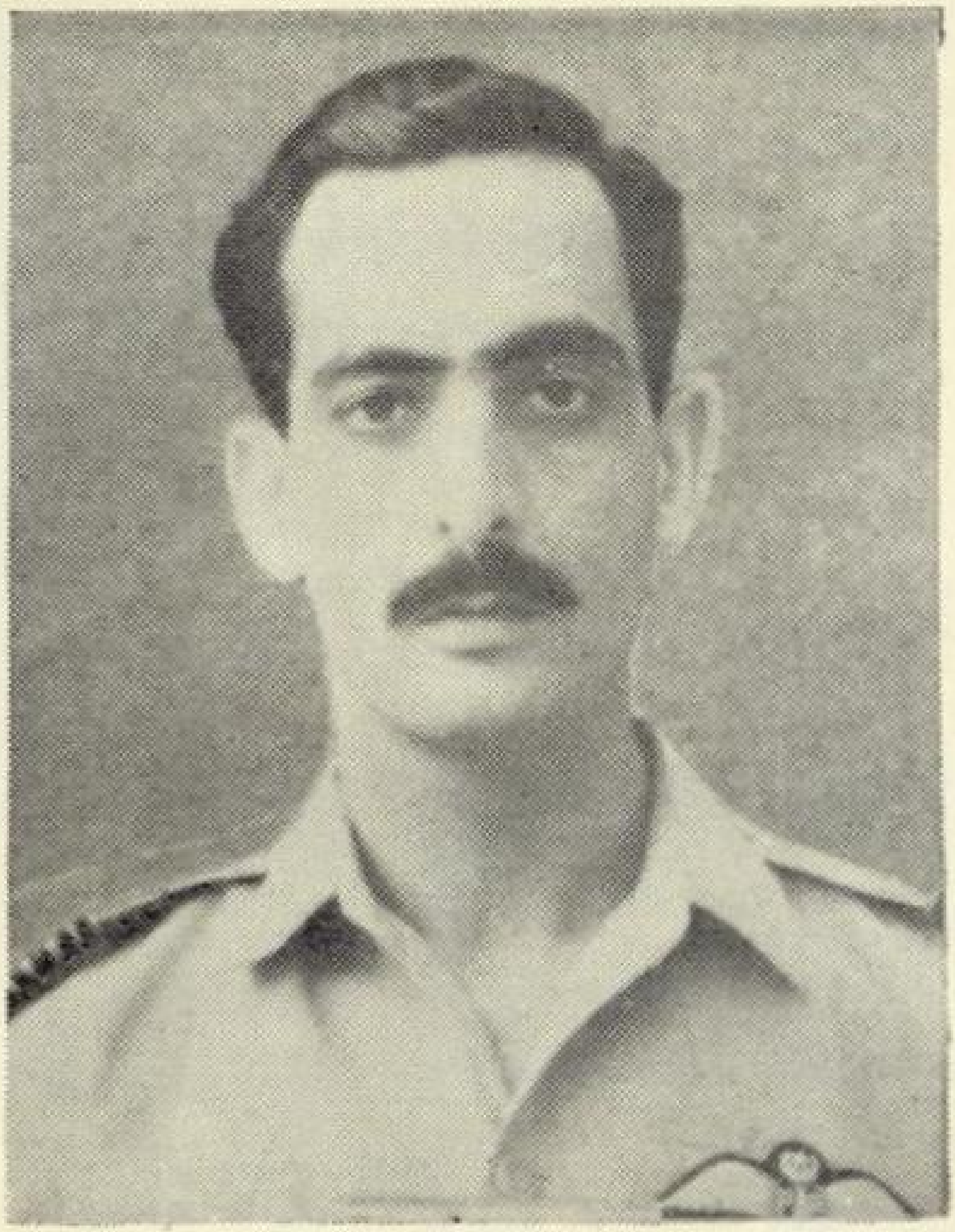
ایئر کموڈور محمد ظفر مسعود

ہلالِ جرأت



گروپ کیپٹن نذیر لطیف

ستارۂ جرأت



اسکواڈرن لیڈر سرفراز احمد رفیقی شہید
ہلالِ جرأت



ونگ کمانڈر سید سجاد حیدر
ستارۂ جرأت



ونگ کمانڈر محمد محمود عالم
ستارۂ جرأت (بار کے ساتھ)



فلائیٹ لفٹننٹ خواجہ یونس حسین شہید

ستارۂ جرأت



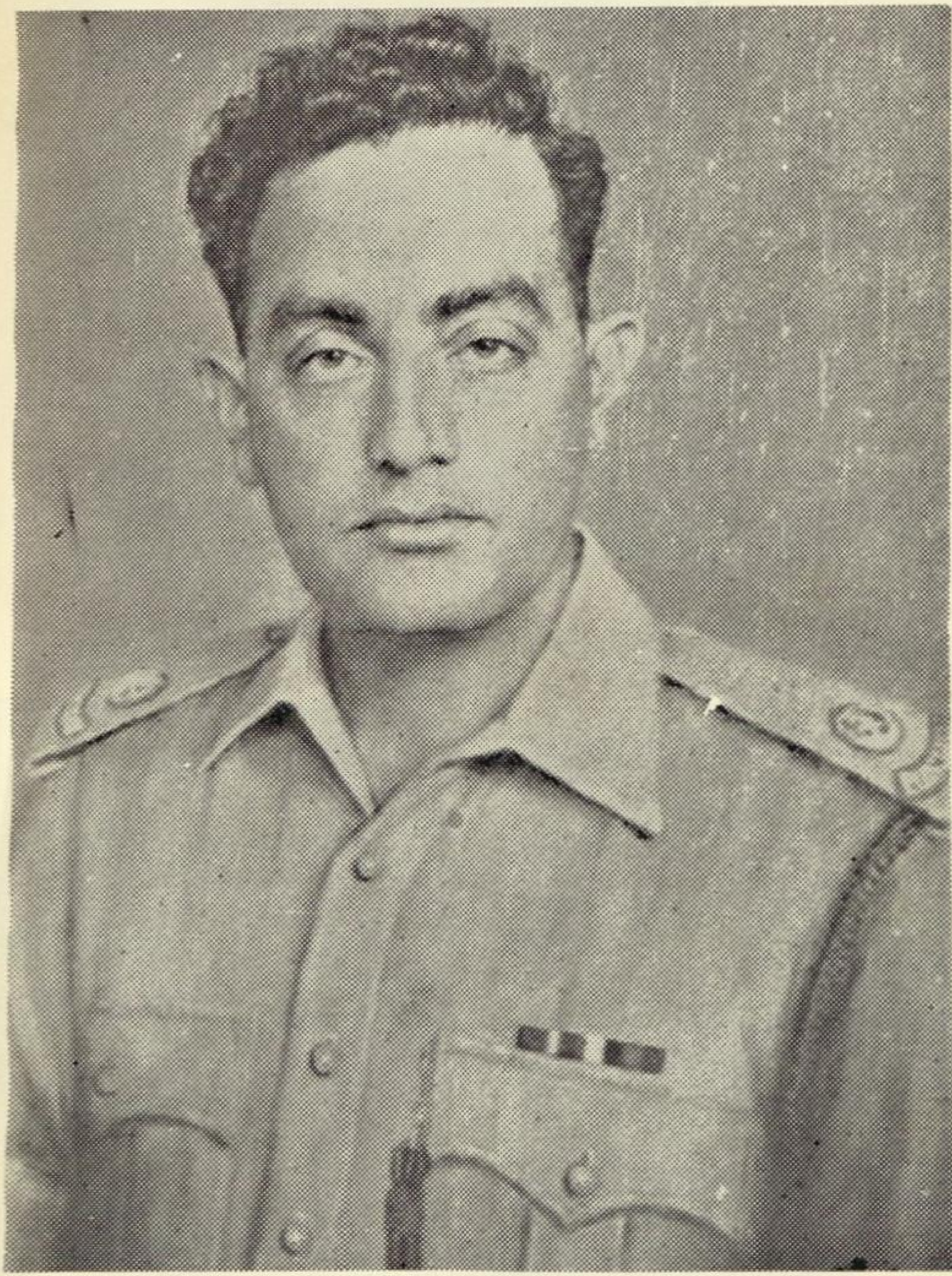
اسکواڈرن لیڈر محمد اقبال

ستارۂ جرأت



اِسکواڈرن لیڈر امتیاز احمد بھٹی

ستارۂ جرأت



میجر عبدالعزیز بھٹی شہید (نشان حیدر)

نشانِ حیدر

(میجر عزیز بھٹی شہید)

اے صاحبِ شجاعت و جرأت تجھے سلام
اے مالکِ عزیمت و قدرت تجھے سلام
اے کامیابِ شوقِ شہادت تجھے سلام

تیرے لہو کا رنگ بڑا کام کر گیا
دشمن کی کوششوں کو بد انجام کر گیا

سُرخی تیرے لہُو کی بہارِ چمن میں ہے
رنگینیٔ تمام دیارِ وطن میں ہے
ذکرِ ادائے فرض ہر اک انجمن میں ہے

سینوں میں رُوحِ عزم کو بیدار کر دیا
ذوقِ نگاہ و فکر کو ہشیار کر دیا

تو دُخترانِ قوم کے آنچل بچا گیا
عِفت کے دامنوں میں ستارے سجا گیا
کچھ اور شانِ حُرمتِ نسواں بڑھا گیا

ہنگامہ خیز نعرۂ تحسین و آفریں
اطرافِ کائناتِ میں آخر کہاں نہیں

رنگیں تیرے لہُو سے ہے رُخسارِ آرزو
حیرت فزا ہے حُسنِ طرحدارِ آرزو
اہلِ وطن ہیں بےخود و سرشارِ آرزو
تنظیم و اتحاد کی تصویر بن گیا
تیرا خلوص قوم کی تقدیر بن گیا

اے آسمانِ عزم و شجاعت کے آفتاب
میدانِ کارزار میں تیرا نہیں جواب
دونوں جہاں میں حق نے کیا تجھ کو کامیاب
تیرے سپرد فتح و شہادت کا تاج ہے
تیرے حوالے مملکتِ دل کا راج ہے

کتنا بلند اہلِ وفا کا مقام ہے
شاملِ بنامِ شیرِ خدا کس کا نام ہے
عبدالعزیز کے لئے کیا احترام ہے
ہو کر شہیدِ عظمتِ کردار لے لیا
آخر نشانِ حیدرِ کرار لے لیا

۸ ار ستمبر ۱۹۶۵ء
"حریت" کراچی

دُوارکا کی تباہی

تموّج میں دُنیائے جذبات بھی | ستمبر¹ کی جوشش آزمارات تھی
سماں ہر طرف تیرہ پوشی² کا تھا | فضا پر تسلّط خموشی کا تھا
گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا چھایا ہوا | زمانہ تھا جس میں چھپا یا ہوا
مگر ایسے جاں سوز حالات میں | میں ڈوبا ہوا تھا خیالات میں

تصوّر میں آیا نظر یہ سماں
پریشان ہیں بحریہ کے جواں

اِسی سوچ میں ہیں بہت دیر سے | کہ بر، اور فضا کے سپاہی لڑے
مٹائے عدو کے پرے کے پرے | مگر اپنے جوہر نہیں کھُل سکے
فضاؤں میں جتنے ہوا باز ہیں | وطن کے لئے مایۂ ناز ہیں
مگر ہم کہ بحرِ عرب کا وقار | سمندر میں ہے جن کے دم سے بہار

مقامِ سعادت سے محروم ہیں
ابھی تک شہادت سے محروم ہیں

¹ ستمبر ۱۹۶۵ء ² بلیک آؤٹ

یکایک یہ آئی کہیں سے خبر
کراچی پہ ہے دشمنوں کی نظر
یہ سنتے ہی بحری مجاہد اُٹھے
عزائم کے طوفاں دلوں میں لئے
سمندر کی ہر لہر پر چھا گئے
تڑپ کر اندھیروں کو چمکا گئے
عدو کے لئے تو قضا بن گئے
کراچی کے لب پر دعا بن گئے

غلامانِ شاہِ حجازی چلے
ہتھیلی پہ سر لے کے غازی چلے

ستارے تھے رقصاں خیالات میں
کہ جگنو تھے پرواز پر رات میں
دلوں میں یہ جذبات کا جوش تھا
سمندر مقابل میں خاموش تھا
رگوں میں شجاعت تھی یوں موجزن
کہ جس طرح پھوٹے فلک پر کرن
ہر اک سانس میں ایک پیغام تھا
لبوں پر بس اللہ کا نام تھا

یہ ماحول تھا جس میں بابر چلا
وہ بحرِ عرب کا شناور چلا

شجاعت کا پرچم اڑاتا ہوا
نشاں ظلمتوں کا مٹاتا ہوا
وطن کا ترانہ سناتا ہوا
نئی صبح کا گیت گاتا ہوا
جھلک معرکہ کی دکھاتا ہوا
جوانوں کی ہمت بڑھاتا ہوا
وہ منزل بہ منزل گزرتا ہوا
وہ رفتار کو تیز کرتا ہوا

شب تار میں مدعا پا لیا
کہ پہنچا سرِ ساحل "دوارکا"

وہی بحری اڈہ، وہی "دوارکا"
کہ دشمن کو جس پر بہت ناز تھا
جہاں قیمتی خفیہ آلات تھے
بہت ہی پُر اسرار دن رات تھے
نشانہ پہ جب وہ مقام آگیا
تو بابر نے توپوں کی زد میں لیا
دَنا دَن، دَنا دَن جو گولے چلے
تو راڈر کے ہر سو پرخچے اُڑے

زمیں دشمنوں کی دہلنے لگی
لہو کی ندی تیز چلنے لگی

اِدھر سے جو بڑھ بڑھ کے حملے ہوئے
مسلسل جو آتش برسنے لگی
مگر واہ رے اپنے بحری جواں
بہ فضلِ خُدا زعم باطل مٹا

اُدھر سے بھی پھر گولے چلنے لگے
سمندر میں دیوار سی بن گئی
بنا کر رہے "دوارکا" کو دھواں
کہ دشمن خود اپنے ہی گھر میں پٹا

اُفق پر سحر دم جو پھوٹی کرن
کراچی میں تھے پاسبانِ وطن

رہے گا بہت یاد یہ معرکہ
عدو کی یہ ہیبت سے حالت ہوئی
یہ ضرب گراں اتنی کاری پڑی
غضب کا جوانوں کا یہ وار تھا

کہ جس میں ٹھکانے لگا "دوارکا"
نہ پھر آنکھ اُٹھانے کی جرأت ہوئی
کہ پھر ڈر سے نکلا نہ 'دکرم' کبھی
ترائی میں' شیروں کی للکار تھا

سمندر پہ فرماں روائی رہی
ہر اک سمت اِن کی دُہائی رہی

بیت المقدس کی تلاش

تجلّیوں کا سراپا تلاش کرتا ہوں
نیازِ پیکرِ جلوا تلاش کرتا ہوں

شعار و طرزِ وفا زا تلاش کرتا ہوں
سرشتِ دل کا تقاضا تلاش کرتا ہوں

تسلّیٔ دِل آشفتگی طلب کے لئے
مشاغلِ خلش آفزا تلاش کرتا ہوں

پئے نیازِ تجلّیِ اوّلیں سرِ نو
نقوشِ کعبۂ اولیٰ تلاش کرتا ہوں

کبھی مِٹا نہ سکے جس کو نشۂ صہبا
خلِش کچھ ایسی غمِ ایسا تلاش کرتا ہوں

مُدام دل میں رہے دردِ اضطراب نواز
طلب کا ہے جو مداوا تلاش کرتا ہوں

سُکونِ رُوح کو اک لمحہ بھی نصیب نہ ہو
کچھ ایسی شورشِ برپا تلاش کرتا ہوں

سماں وہ ہو کہ دہل جائے ہر حریف کا دل
اِک حشر خیز نظّارہ تلاش کرتا ہوں

نفس نفس کو کرے مشتعل، عطا ہو وہ سوز
خروشِ معرکہ آرا تلاش کرتا ہوں

کوئی نظارۂ نادیدہ چاہتی ہے نظر
فضائے منظرِ رعنا تلاش کرتا ہوں

نثار جس پہ ہوں رنگینیاں بہاروں کی
وہ اِک تبسّمِ سادہ[1] تلاش کرتا ہوں

قدم قدم پہ کھلا دے جو آرزو کے چمن
وہ رنگ و بوئے شگفتہ تلاش کرتا ہوں

عروسِ فکر کو دینا ہے رُونمائی میں
سحر کے ماتھے کا ٹیکہ تلاش کرتا ہوں

[1] اس نظم میں ترکیب کے ساتھ قافیوں کے اِستعمال کے لئے معذرت خواہ ہوں۔

بہادے نور کے دریا میں موجِ ہستی کو
وہ دلنواز اشارہ تلاش کرتا ہوں

یہ چند پھول بھلا کس کے کام آئیں گے
چمن بدوش نظارا تلاش کرتا ہوں

سجا رہا ہوں میں تابانیاں تصور میں
جمالِ شاہدِ رعنا تلاش کرتا ہوں

مہ و نجوم کی تابندگی سے کیا ہوگا
دل و نظر کا اُجالا تلاش کرتا ہوں

حجاب رُخ پہ رہے اور دید ہو جائے
حیا کا رنگ نرالا تلاش کرتا ہوں

مہ و نجوم و گل و نسترن کے پردے میں
ہے کون انجمن آرا تلاش کرتا ہوں

کسی بہارِ مجسّم کی جُستجو ہے مجھے
کوئی جمیل سَرا پا تلاش کرتا ہوں

نگاہِ بوالہوساں صرفِ سوز ہو جائے
وہ تابِ جلوۂ سینا تلاش کرتا ہوں

ہزار پردوں میں بھی حق نہ چھپ سکے جس سے
وہ نورِ دیدۂ بینا تلاش کرتا ہوں

ہر ابتدا میں نظر اِنتہا پہ رہتی ہے
ہر اک عمل کا نتیجہ تلاش کرتا ہوں

نصیب ہو شرفِ اِتّصالِ نورِ خدا
نبیؐ کے نور کا دھارا تلاش کرتا ہوں

دلوں میں ڈھونڈ رہا ہوں خلوص کے موتی
زمیں پہ عرش کا تارا تلاش کرتا ہوں

مژہ پہ قطرۂ خوناب جھلملاتا ہے
فلک پہ صبح کا تارا تلاش کرتا ہوں

صدا یہ آتی ہے دل کے قریب سے کیسی
مجھے یہ کس نے پکارا تلاش کرتا ہوں

کشاں کشاں لئے پھرتا ہے بندگی کا شوق
کمالِ ذوقِ جبیں سا تلاش کرتا ہوں

شگافِ آبلہ پائی کی جستجو ہے مجھے
غلط کہ منزل و ماوا تلاش کرتا ہوں

جو موجِ وقت کے دھاروں میں ڈوب کر اُبھرے
وہ سیل گام سفینہ تلاش کرتا ہوں

ہو کہکشاں کی بلندی بھی جس کے آگے ہیچ
وہ اَوج پایہ ارادہ تلاش کرتا ہوں

نگارِ وقت کی تاریخ لکھ رہا ہوں میں
شکوہِ عظمتِ رفتہ تلاش کرتا ہوں

وہ مہر و ماہ جو گم ہو گئے خلاؤں میں
اُنھیں کا نقشِ کفِ پا تلاش کرتا ہوں

عروسِ شام کی افشاں بکھر گئی ساری
یہ فالِ بد ہے کہ اچھا تلاش کرتا ہوں

اُداس اُداس فضائیں ہیں بزمِ ہستی کی
وہ نغمہ جو ہو طرب زا تلاش کرتا ہوں

ہے ریگ زارِ وفا اور شب کا سنّاٹا
حریمِ جلوہ کو تنہا تلاش کرتا ہوں

جہاں ہے بے ادبی حسنِ انجمن کی دلیل
وہاں ادب کا سلیقہ تلاش کرتا ہوں

وفورِ درد کے طوفان سے گزرنا ہے
بلا خرامیٔ دریا تلاش کرتا ہوں

برائے حق جسے سقراط نے پیا تھا کبھی
وہ زہرِ شوق کا پیمانہ تلاش کرتا ہوں

شریک جس میں ہو دنیا وہ درد ہی کیا ہے
وہ غم جو صرف ہو اپنا تلاش کرتا ہوں

وہ نقش ہائے محبّت جنھیں کسی صورت
مِٹا سکے نہ زمانہ تلاش کرتا ہوں

جو سوز درد سے گرما دے اہلِ محفل کو
لبِ وفا پہ وہ نغمہ تلاش کرتا ہوں

ریا و حرص کا جس جا کبھی گذر بھی نہ ہو
جہاں میں ایسا ٹھکانہ تلاش کرتا ہوں

جو دُوسروں کے لئے بے قرار ہو ہر دم
وہ مُشتِ خاک وہ پارا تلاش کرتا ہوں

ہزار رنگ جو لائے وفا کے دامن پر
وہ اشکِ غم کا ستارہ تلاش کرتا ہوں

تمام گردشِ دوراں سمیٹنے کے لئے
دلِ فراخ و کشادہ تلاش کرتا ہوں

لبوں میں اب نہیں باقی مجالِ گویائی
مگر خلوص کا نعرہ تلاش کرتا ہوں

خیالِ دوست، غمِ شوق، آنسوؤں کے چراغ
وفا کی راہ میں کیا کیا تلاش کرتا ہوں

زمانہ دیر سے آواز دے رہا ہے مجھے
عمل برائے زمانہ تلاش کرتا ہوں

شعور و ہوش کی حاجت نہیں زمانے کو
خیال و فکر جنوں زا تلاش کرتا ہوں

یہ تابکے رہوں بیگانۂ مذاق جنوں
میں سر کے واسطے سودا تلاش کرتا ہوں

وہ سوزِ درد جو مُردہ دلوں کو زندہ کرے
نفس نفس میں مچلتا تلاش کرتا ہوں

کسی کی آہ مسلسل سُنائی دیتی ہے
جو ساز پر کوئی نغمہ تلاش کرتا ہوں

شدید دھوپ سے ہستی ہے التہاب سے پُر
سکونِ سایۂ طوبیٰ تلاش کرتا ہوں

بہت دنوں سے ہے گُم گشتہ کاروانِ طلب
چراغِ لالۂ صحرا تلاش کرتا ہوں

بہت دنوں سے ہے تاراج ذخیرہ وادیٔ دل
شعاعِ تابشِ سینا تلاش کرتا ہوں

بہت دنوں سے ہے بے رنگ خاتمِ ہستی
جو گر چکا وہ نگینہ تلاش کرتا ہوں

بہت دنوں سے خجل شوقِ جبہ سائی ہے
کہاں گیا درِ کعبہ تلاش کرتا ہوں

بہت دنوں سے صدائے اذاں نہیں آئی
جو اُڑ گیا ہے وہ نغمہ تلاش کرتا ہوں

وہ جس کے لُٹنے پہ غیرت نہ آئی مِلّت کو
وہ نقشِ مسجدِ اقصیٰ تلاش کرتا ہوں

بھٹک رہا ہوں بگولوں کی طرح صحرا میں
کسی کا نقشِ کفِ پا تلاش کرتا ہوں

مرے حبیب، مرے دل کو روشنی ہو عطا
تیرے خیال کی دُنیا تلاش کرتا ہوں

جہاں پہ ظلمتِ دَوراں ہوئی ہے سایہ فگن
وہاں دلوں کا اُجالا تلاش کرتا ہوں

شبِ درازِ الم کا جہاں تسلّط ہے
وہاں میں نورِ کا تڑکا تلاش کرتا ہوں

ہوا کے رُخ پہ جلاتا ہوں آرزو کے چراغ
اندھیری شب میں سویرا تلاش کرتا ہوں

ضیا سے جس کی فروزاں ہو سینۂ ملّت
وہ لَو، وہ سوز، وہ شعلہ تلاش کرتا ہوں

وہ گلستانِ تمنّا، وہ آرزو کا چمن
لہو سے جس کو سنوارا تلاش کرتا ہوں

تمرِ شکِ رنجِ محبّت جو جذب خاک ہوا
ابھی وہ گوہرِ یکتا تلاش کرتا ہوں

غمِ حیات، غمِ دو جہاں ہیں ناکافی
کچھ اور اِن کے علاوہ تلاش کرتا ہوں

جو کُشتگانِ رہِ حق کو زندگی بخشے
وہی دوا و مسیحا تلاش کرتا ہوں

وہ مردِ مومن و مردِ مجاہدِ ملّت
بدل سکے جو زمانہ تلاش کرتا ہوں

بَنا ہے خاک پہ گر کر جو عرش کا تارہ
وہ روشنی کا منارا تلاش کرتا ہوں

حقیقت ابدی جس کا بن گیا عنوان
وہ لازوال فسانہ تلاش کرتا ہوں

کبھی خلوص کے موتی پروئے تھے جسمیں
وہ اِتّحاد کی مالا تلاش کرتا ہوں

گلے میں طوق گرانباری اَلم ہے مگر
زمیں پہ چاند کا ہالہ تلاش کرتا ہوں

مرے قلم پہ علیؑ کے علم کا سایہ ہے
جو بزم و رزم کا نقشہ تلاش کرتا ہوں

الٰہی قوتِ پرواز بخش دے مجھ کو
بلند عزم و ارادہ تلاش کرتا ہوں

جہانِ کفر کی یورش ہے اہلِ ایماں پر
میں اِن بلاؤں کا صدقہ تلاش کرتا ہوں

الٰہی بیتِ مقدّس کی جستجو کے سوا
تجھے خبر ہے کہ میں کیا تلاش کرتا ہوں

جو دست و بازوئے باطل کو موڑ کر رکھ دے
وہ ایک آہنی پنجہ تلاش کرتا ہوں

تمام قوم ابھی خوابِ گراں میں ہے مصروف
ہوائے دامنِ عیسیٰ تلاش کرتا ہوں

اُٹھا رہے ہیں سر اِس دَور میں نئے فرعون
عصائے حضرتِ موسیٰ تلاش کرتا ہوں

تمام عالمِ اِسلام کو جو تڑپا دے
میں سازِ دل میں وہ نغمہ تلاش کرتا ہوں

اَجل بھی آئے تو پیغام زندگی لائے
جہاد کا وہ قرینہ تلاش کرتا ہوں

کرن کرن ہے کہ شعلوں کے تیر چلتے ہیں
تحفظِ گل و لالہ تلاش کرتا ہوں

اُفق اُفق ہے کہ گلُ رنگ دامنِ ہستی
کسی کے خوں کا دھبہ تلاش کرتا ہوں

صبا صبا ہے کہ بیتاب رُوحِ نظّارہ
گلوں کا رنگِ پریدہ تلاش کرتا ہوں

کلی کلی ہے کہ تصویرِ آتشِ خاموش
سُلگ رہا ہے جو سینہ تلاش کرتا ہوں

چمن چمن ہے کہ مقتل ہے آرزوؤں کا
گلوں میں خونِ تمنّا تلاش کرتا ہوں

سحر سحر ہے کہ صد چاک دامنِ ہستی
ہر ایک تار میں تارا تلاش کرتا ہوں

یہ دل ہے سینہ میں یا شمع زیرِ داماں ہے
نفس نفس میں شرارہ تلاش کرتا ہوں

بجائے خون، بھری ہے رگوں میں آتشِ شوق
ہر ایک موج میں شعلہ تلاش کرتا ہوں

کہاں ہیں مفتیِ دینِ مبین و شرعِ متین
جہادِ شوق کا فتویٰ تلاش کرتا ہوں

بتائیں راہ مجھے واعظانِ ذوالاکرام
میں اپنا قبلۂ اولیٰ تلاش کرتا ہوں

وفا کی راہ میں چھائی ہوئی ہے گردِ جفا
میں اس غبار میں کعبہ تلاش کرتا ہوں

چراغ طور لئے پھر رہا ہوں صحرا میں
نشانِ ملّتِ بیضا تلاش کرتا ہوں

کہاں ہیں ناصر و انصار کچھ تو بتلائیں
میں کب سے مسجدِ صخرا تلاش کرتا ہوں

زوال پر ہے عرب، اوج پر ہے اسرائیل
مگر ہے اس کا سبب کیا تلاش کرتا ہوں

کہیں قیادتِ اعلیٰ کا تو قصور نہیں ؟
سببِ شکست کا ہے کیا تلاش کرتا ہوں

کہیں کمی تو نہ تھی جذبۂ جہاد میں کچھ
گریز پائی کا نقشہ تلاش کرتا ہوں

دمِ جدال یہ ہتھیار کند کیوں نکلے
فریب کاریٔ دُنیا تلاش کرتا ہوں

فضائی فوج ہوئی ختم مصر کی کیسے ؟
حوالہ بے خبری کا تلاش کرتا ہوں

شکستِ فاش کی ذلّت اُٹھائی ملت نے
شعورِ رہبرِ دانا تلاش کرتا ہوں

قدم قدم پہ جلاتا ہوں آگہی کے چراغ
کہاں کہاں ہے اندھیرا تلاش کرتا ہوں

کوئی مدد کو نہ پہنچا جو شرقِ اُردن کی
وفا پرستی کا دعویٰ تلاش کرتا ہوں

یہ کشمکش، یہ لڑائی یہ باہمی رنجش
ہوا جو گھر تہ و بالا تلاش کرتا ہوں

لبِ حیات پہ اب کس لئے نہیں فریاد
سُخن طرازیٔ دُنیا تلاش کرتا ہوں

تمام عالمِ اِسلام کیوں نہیں اُٹھتا
فریبِ وعدۂ فردا تلاش کرتا ہوں

نظامِ شمسی و قمری پہ کیا گزرتی ہے
بہ ایں قیامتِ صغریٰ تلاش کرتا ہوں

یہ آسماں سے لہو کس لئے نہیں برسا
رموزِ عالمِ بالا تلاش کرتا ہوں

جہاں پہاڑ بھی تنکوں کی طرح اُڑتے ہیں
وہاں ثباتِ تمنّا تلاش کرتا ہوں

ہزار مرحلہ مرگ و زلیست کی زد میں
فقط خُدا کا سہارا تلاش کرتا ہوں

یہیں سے مجھ کو ملے گا نشان منزل کا
کلامِ حق کا صحیفہ تلاش کرتا ہوں

کدھر چلے گئے دُنیا میں عاشقانِ رسول
فضائے یثرب و بطحا تلاش کرتا ہوں

خدا کے نام کی اِس دَور میں جو لاج رکھے
کہاں چھپا ہے وہ بندہ تلاش کرتا ہوں

عدو سے چھین لے بڑھ کر جو قبلۂ اوّل
وہ مردِ حُر، وہ جیالا تلاش کرتا ہوں

نہیں یہ ہوش کہ اپنے مکاں کی فکر کروں
ابھی تو خانۂ کعبہ تلاش کرتا ہوں

جَلا کے خاک جو کردے غرورِ اعدا کو
وہ اضطراب کا شعلہ تلاش کرتا ہوں

تمام عالمِ اسلام جس میں شامل ہو
اک ایسی جنگ کا نقشہ تلاش کرتا ہوں

جو بدر و خیبر و خندق میں مردِ میداں تھے
وہ سرفروش دوبارا تلاش کرتا ہوں

سیاہ کر کے رہوں گا جہانِ اسرائیل
تجلّیِ یدِ بیضا تلاش کرتا ہوں

کُل انبیا کی نمازوں کا جو امین رہا
وہ انبیا کا مُصلّیٰ تلاش کرتا ہوں

عروجِ ثاقب و زہرہ کی کیا حقیقت ہے
کہ اوجِ مسجدِ اقصیٰ تلاش کرتا ہوں

ہوا جدھر سے خُدا کا پیام لاتی تھی
وہ جاں فروز دریچہ تلاش کرتا ہوں

جو تشنگی کو بنادے سرور کا حامل
وہی نشاطِ تمنا تلاش کرتا ہوں

خُدا کی راہ میں مرنا ہے زندگی کی دلیل
شہادتِ رہِ مولا تلاش کرتا ہوں

وہ جس کے سائے میں نصرت خُدا کی چلتی ہے
عَلَم وہ فتح وظفر کا تلاش کرتا ہوں

خُدا نے خود جسے عنوان جاوداں بخشا
وہی شہادتِ عظمیٰ تلاش کرتا ہوں

ملے گا درسِ شجاعت علیؑ کے در سے مجھے
نجف کے جانے کا رستہ تلاش کرتا ہوں

علیؑ کے بازوئے خیبر شکن کی یاد آئی
جو صف شکن ہے وہ نعرہ تلاش کرتا ہوں

وہ آرزوئے شہادت جو زندگی کی ہے رُوح
وہی بجی دل میں تمنّا تلاش کرتا ہوں

کرم رسول کا جس پر ہو بختی ہے وہی
عنایتِ شہِ بطحا تلاش کرتا ہوں

دُھواں بنا کے اُڑانا ہے فوجِ اعدا کو
جلالِ خالقِ یکتا تلاش کرتا ہوں

فغاں کہ ارضِ مقدّس کا غم بڑا غم ہے
غلافِ خانہ کعبہ تلاش کرتا ہوں

الٰہی ملّتِ اِسلام کا رہے پردہ
ردائے فاطمہؓ زہرا تلاش کرتا ہوں

الٰہی ارضِ مقدس ہو اور جبینِ نیاز
مقامِ درخورِ سجدہ تلاش کرتا ہوں

دعائے کیفِ حزیں مستجاب ہو جائے
رسولِ حق کا وسیلہ تلاش کرتا ہوں

سنہ ۱۹۶۸ء

پاکستان زندہ باد

پ = پاکیزہ و شاداب گلستانِ وطن ہے
ا = اک نور کا ٹکڑا ہے جو صد رشکِ چمن ہے
ک = کوثر کی اَدا اِس کے نہالوں کا تبسّم
س = سَو دل سے فِدا جس پہ ستاروں کی کرن ہے
ت = تابندہ مثال رُخِ مہتاب رَہے گی !!
ا = آئینۂ انوارِ وفا خاکِ وطن ہے
ن = نوخیز تمنّاؤں کی جنّت اِسے کہئیے

ز = زرتار جو خورشید جمالوں کی قبا ہے
ن = نازاں رُخِ ہستی پہ مَہِ نو کی اَدا ہے
د = دل ہے کہ محبّت کا چھلکتا ہوا ساغر
ہ = ہر سانس کی نَے میں کوئی پُردرد نوا ہے
ب = بیخود ہیں جوانانِ وطن حُبّ وطن سے
ا = اے کیف تری نظم نے سرشار کیا ہے
د = دُنیائے نظر کے لئے راحت اسے کہئیے

۸ مئی ۱۹۶۸ء

ہماری زیرِ ترتیب کتابیں

آفتابِ سیاست

قائدِ اعظم محمد علی جناح کے پچاس مدبّرانہ فیصلے جنھوں نے ملّت اسلامیان ہند کی تقدیر بدل دی۔ سینکڑوں کتب اخبارات و رسائل کا نچوڑ۔ کیفؔ بنارسی کے پچیس ۲۵ سالہ عمیق سیاسی مطالعہ کا حاصل۔

تاریخ کے طالبعلموں کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر رہے گا۔

کلامِ عظمت

حضرت عظمتؔ الہ آبادی کی چالیس سالہ شاعری کا بے نظیر مرقّع۔ ہر غزل فکر کی معراج۔ ہر شعر ایک خاص کیفیت کا حامل۔ اِس شعری مجموعہ کے مطالعہ کے بعد آپ اُردو غزل سے محبّت کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

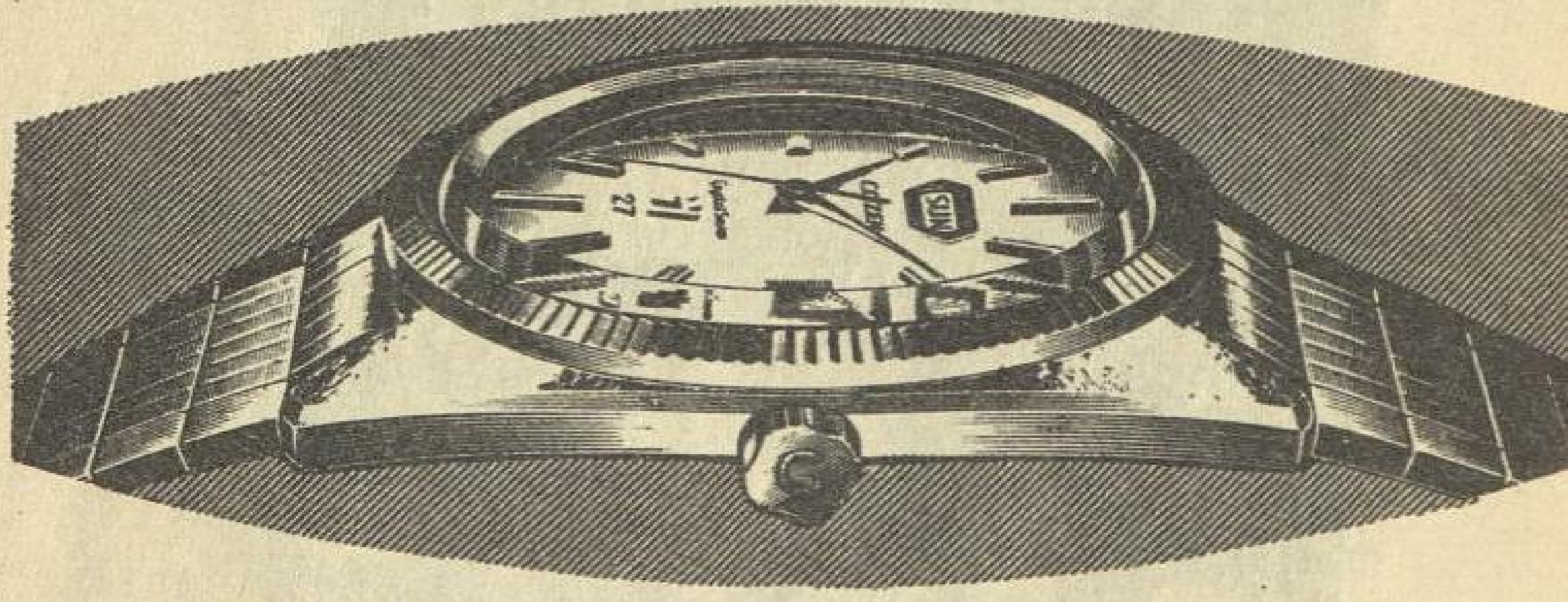
*

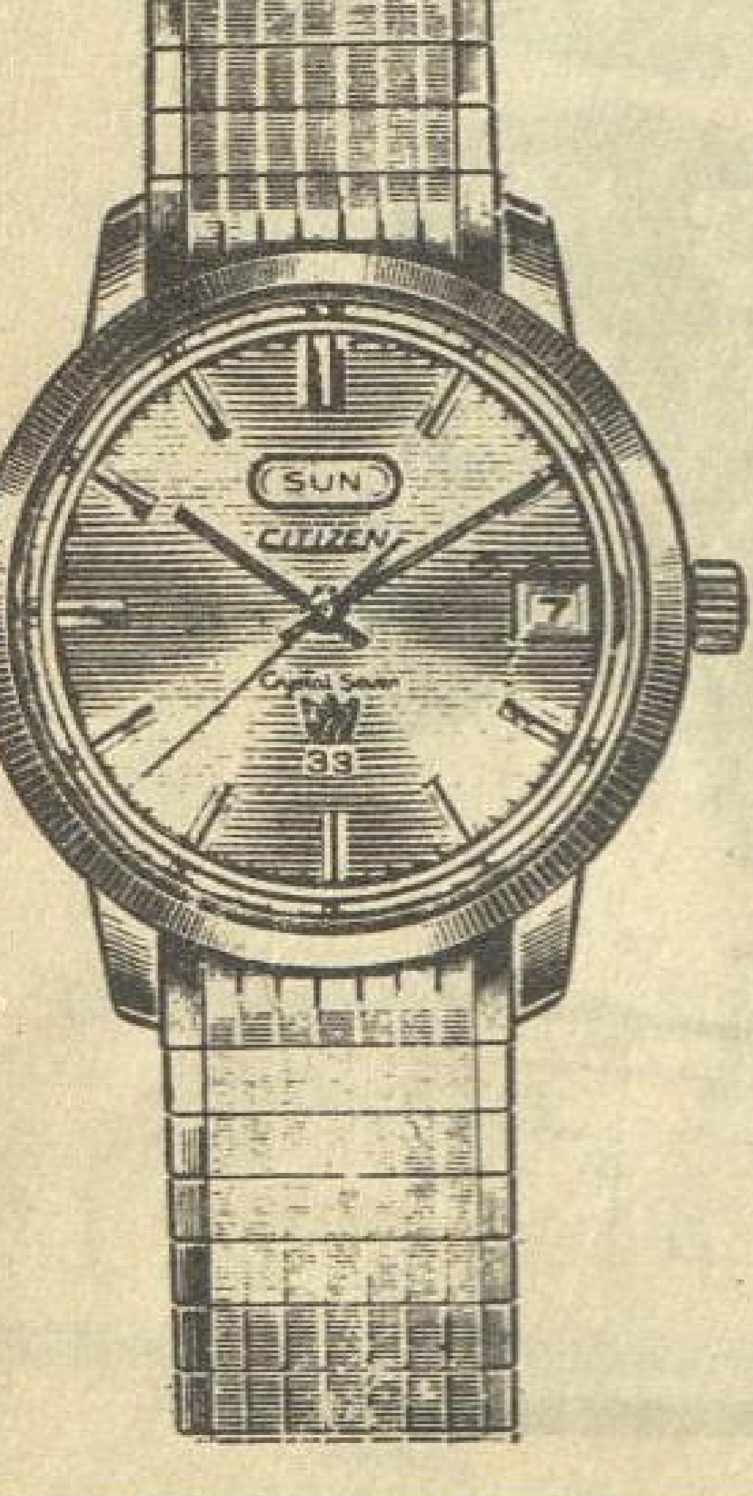
مکتبۂ کیف

بی ۱۴۴ ــــ کورنگی ٹاؤن ــــ کراچی ۳۱

سٹیزن
کرسٹل

عمدگی نفاست کا نیا معیار۔ شیشہ کی بجائے کرسٹل
عمدہ مشینری کا محافظ۔ آئینہ کی مانند تابدار۔





دن اور تاریخ بدلنے کا نیا طریقہ
سٹیزن گھڑی



تاریخ اور دن کے ساتھ دوسری گھڑیاں ۶۔ ایم۔ ایم



کرسٹل ۷" تاریخ اور دن کے ساتھ صرف ۴.۴۸ ، ایم۔ ایم

پاکستان میں ہر جگہ دستیاب ہے

بائیلارُس

زرعی ٹریکٹر کے اِستعمال سے





* ۵۵ ہارس پاور
* ڈیزل انجن
* نقد کے علاوہ زرعی ترقیاتی بینک کے قرضہ پر بھی دستیاب ہے۔

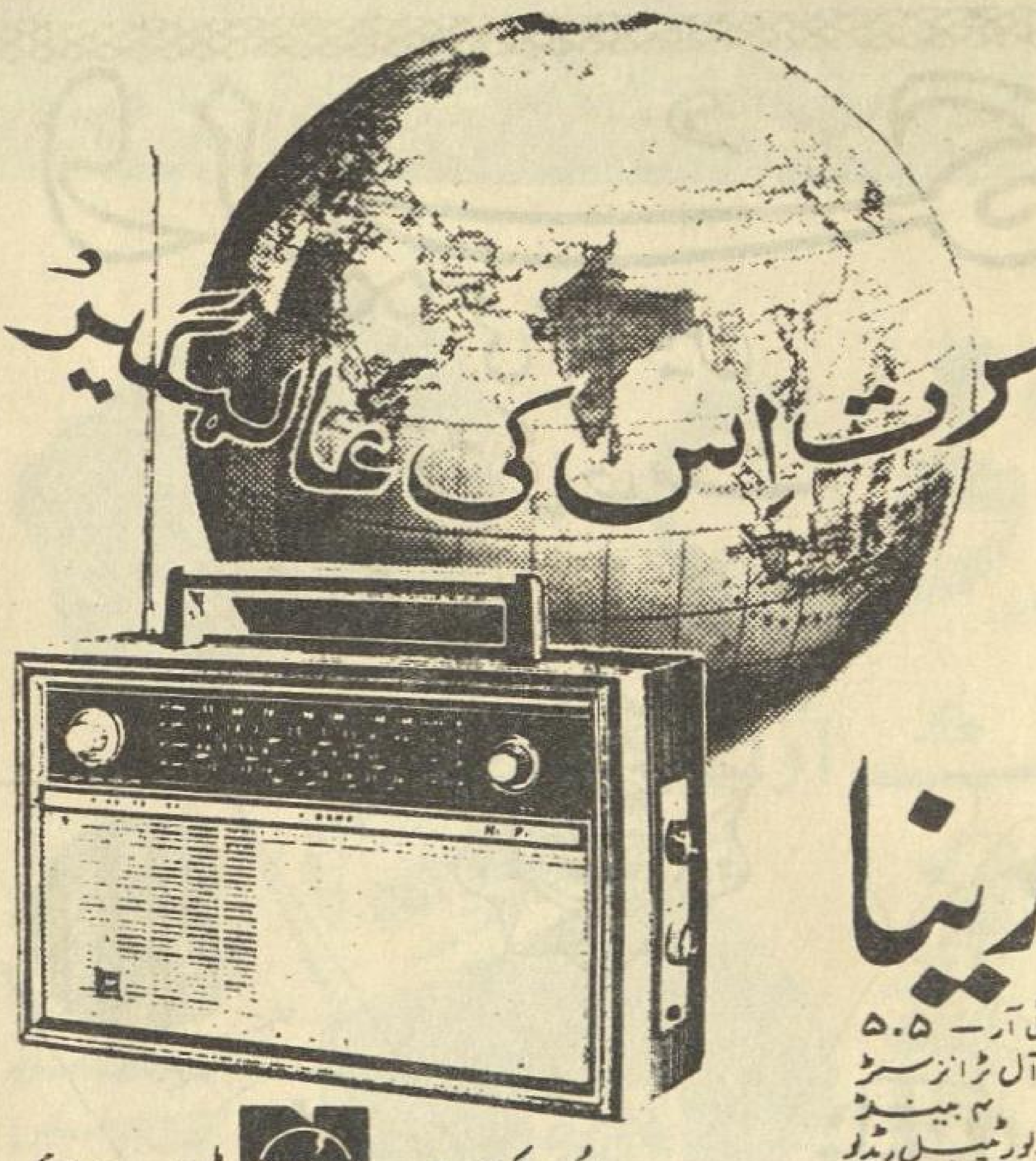
واحد تقسیم کنندگان برائے پاکستان:

فیکٹو لمیٹڈ

کراچی	لاہور	ڈھاکہ	چٹاگانگ
ہوٹل میٹروپول بلڈنگ	۲۱ — ہال روڈ	۱ — وائز گھاٹ روڈ	۱۳۸ — بیپاری ہٹ
فون: ۵۲۲۶۳	فون: ۳۱۱۴	فون: ۸۰۵۴۸-۴۴۹۰۸	فون: ۸۵۸۰۷
		۹۶/۹۵ بیت المکرم	
		فون: ۵۰۰۴۹	

ORIENT

شہرت اس کی عالمگیر



رینا

ٹی آر - ۵۰۵
آل ٹرانزسٹر
۴ بینڈ
پورٹیبل ریڈیو
ڈیلکس ۔ ہائی فائی

پورے پاکستان میں National ڈیلرز سے دستیاب ہے

نیشنل کا بالکل نیا ماڈل **رینا**، پورٹیبل آل ٹرانزسٹر ریڈیو، حسن کارکردگی کا حیرت انگیز مرقع ۔ جاذب نظر رنگوں میں فارمیکا کیبنٹ ۔ صاف اور سحر آفریں آواز ذوق سماعت کے عین مطابق ۔ بے شمار نئی نئی خوبیوں سے آراستہ ہے ۔

واحد تقسیم کنندگان ۔

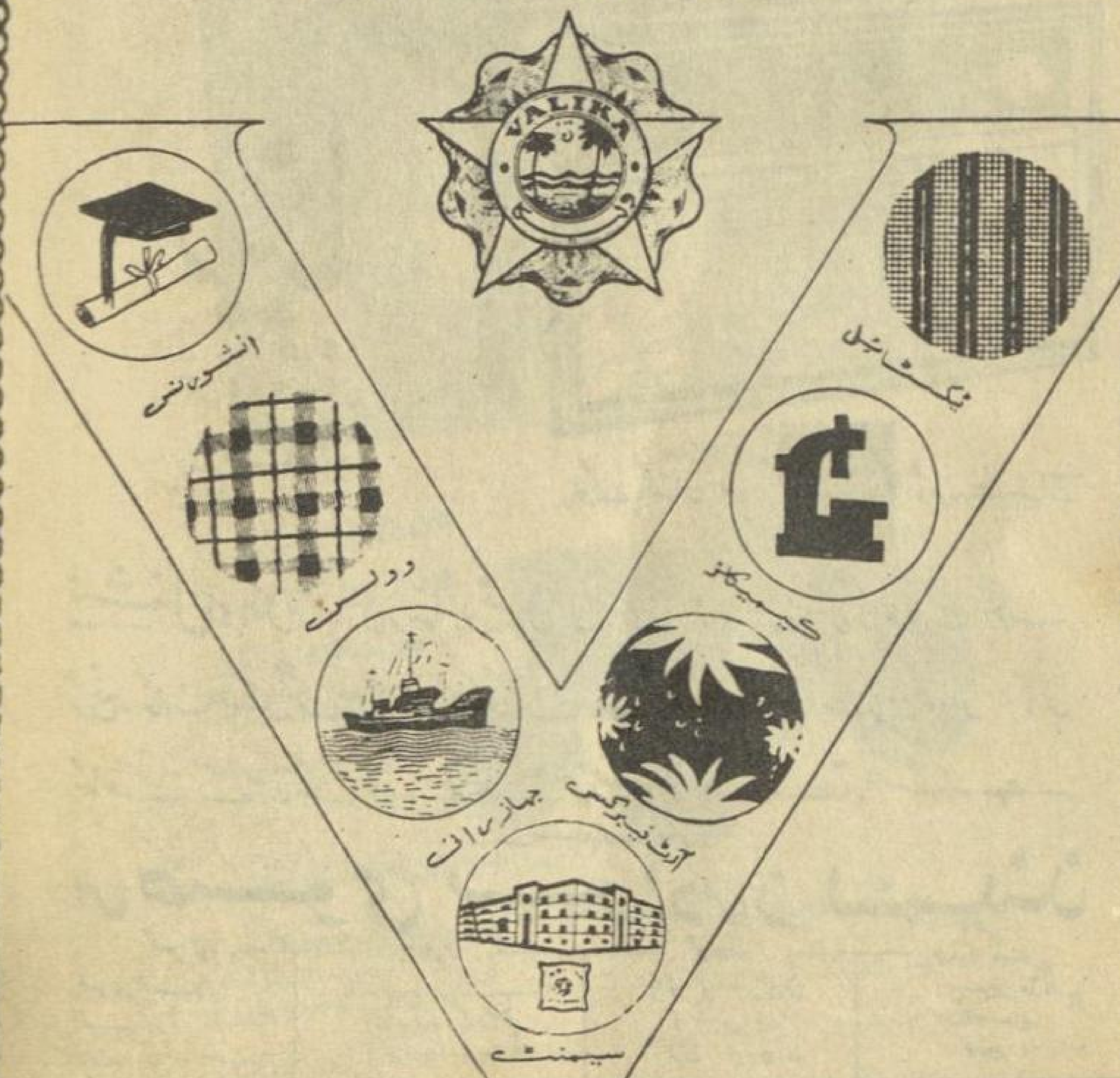
رضوی برادرز لمیٹڈ

کراچی	لاہور	ڈھاکہ	چاٹگام
رضوی چیمبرز اکبر روڈ فون ۷۰۰۳۱-۳۵	۹ - [illegible] شاہراہ قائداعظم فون ۶۵۶۹۱	۹ - ڈی موتی جھیل کمرشیل ایریا فون ۵۱۵۲۳	مسین بلڈنگ [illegible] فون [illegible]

ORIENT R-12/3

ولیکا

کی صنعتیں
قوم کی خدمت
کے لئے وقف ہیں



ولیکا عوام پر اعتماد کرتے ہیں
اور عوام ولیکا پر

ORIENT



ریشم کی طرح نرم، گرم، گداز
ولی
نٹنگ اون
Vali
KNITTING WOOL
۴ پلائی
ڈبل نٹ، کریپ
بے بی اون اور دیگر
اقسام میں
دستیاب ہیں۔
رنگائی اور بنائی:
ولیکا وولن ملز کمپنی لمیٹڈ
پروسس:
اے۔ انیس اینڈ کمپنی
۱۰۹ ـــ میٹھادر ـــ کراچی ـــ ۲ ـــ فون ـــ ۲۲۳۴۳۱





شاہی

خاندان بھر کے لئے
بہترین ٹانک!

ابھرتے ہوئے نوجوان کھلاڑی، زیرِ تعلیم اور پروان چڑھتے ہوئے بچے، معروف خواتین اور دماغی یا جسمانی کام کرنے والے مردوں کو ہمیشہ صحت مند و توانا رکھنے کے لئے

طیبی دواخانہ کی تیار کردہ

"شاہی"

مایۂ ناز ٹانک ہے



دل و دماغ اور اعصاب کو قوت دیتی اور معدہ و جگر کی اصلاح کر کے بکثرت خونِ صالح پیدا کرتی اور تمام اعضاء جسمانی کو غذا بہم پہونچاتی ہے۔



تفصیل کے لئے فہرست طلب فرمائیے

ہر جگہ اسٹاکسٹ صاحبان کی ضرورت ہے

طیبی دواخانہ

نیپیئر روڈ — کراچی ۲ | برانچ:-
پوسٹ بکس — ۲۱۹۰ | صدر بازار حیدر آباد



اسٹاکسٹ:

۱ : پیارا میڈیکوز، بوہڑ بازار، راولپنڈی
۲ : شفا میڈیکو، بالمقابل میو ہسپتال لاہور
۳ : نسیم اینڈ ورائٹی، جھنگ روڈ، کلاک ٹاور، لائل پور
۴ : محمد علی برادرس، شاہی بازار، میرپور خاص
۵ : نونہال یونانی دواخانہ، جامع مسجد، ٹنڈو آدم
۶ : احمد بھائی اسٹور، خان جہاں علی روڈ کھلنا (مشرقی پاکستان)

ORIENT

کتابخانہ / محمد ہارون موسیٰ

"سید یاور حسین کی تقریر" صدائے قلب" جنگ آزادی" کے نوجوانوں کا منشور رجز ہے! اِس سے اگر جوانوں کا گرم لہو رگوں میں برقی لہر بن جائے گا تو بوڑھوں کے سرد خون میں بھی حرارت پیدا ہوگی۔"

اخبار "قائد" بنارس

۲۱ر اپریل ۱۹۴۶ء

"پاکستان میں نوجوان شاعروں کا ایک ایسا طبقہ ابھر رہا ہے جس نے حب الوطنی کو اپنی نظموں کا موضوع قرار دیا ہے۔ اِن میں جناب کیف بنارسی نے بڑی اثر انگیز نظمیں لکھی ہیں۔"

اقتباس از "پاکستان کے پانچ سال"

۱۹۵۲ء